قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوعِ اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۳۸

کراچی: ہفتہ۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۵ء

قیمت چھ آ
سالانہ پندرہ ر

قرآن نے کیا کہا؟

جو جماعت نظام ربوبیت کے قیام کی خاطر اٹھیگی ہو نہیں سکتا کہ وہ ان لوگوں کے ھاتھوں شکست کھا جائے جو غلط نظام کے قیام اور بقا کے لئے کوشاں ہوں۔ ان مخالفین کا جماعت مومنین پر غالب آجانا تو ایک طرف یہ ان کی ھمسری اور برابری بھی نہیں کر سکینگے۔ یہ دونوں کبھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ ام نجعل الذین آمنوا وعملوا لصالحات کالمفسدین فی الارض۔ کیا یہ لوگ سمجھتے ھیں کہ ہم ان لوگوں کو جو دنیا میں نا ھمواریاں پیدا کرتے ھیں ان لوگوں کے برابر کر دینگے جو ھمارے صحیح نظام پر یقین رکھتے ھیں اور صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوتے ھیں؟ ام نجعل المتقین کالفجار (۳۸/۲۸) کیا ہم ان لوگوں کو جو ھمارے قانون کی نگہداشت کرتے ھیں ان کے برابر کر دینگے جو اپنی زندگی ان قوانین سے الگ ہٹ کر گزارتے ھیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وما یستوی الاعمیٰ والبصیر۔ اندھا اور آنکھوں والا کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ ولا الظلمت ولا النور۔ نہ ہی روشنی اور تاریکی ایک جیسی ہو سکتی ہے۔ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات (۳۵/۲۲) نہ ہی مردہ اور زندہ برابر ہو سکتے ھیں۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا (۴/۱۴۱) ھمارے نظام سے انکار کرنے والے لوگ کبھی اس جماعت پر غالب نہیں آسکتے ھیں جو اس نظام کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے ہوں!

طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۔ محض انسانی عقل زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

۲۔ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے جس سے نوعِ انسانی [illegible] منزلِ مقصود تک پہنچ سکتی۔

۳۔ عقل اور علم کا معیار قرآن ہے۔ جو بات قرآن کے خلاف ہو سمجھو کہ وہ اسی لئے غلط ہے۔

۴۔ حضور نبی اکرم انسانی سیرت و کردار کے انتہائی مقام پر فائز تھے [illegible] حضور کی سیرت داغدار کرنا [illegible] ہماری تاریخ کے اپنے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) [illegible] غلط اور وضعی ہیں۔ حضور کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے۔

۵۔ قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶۔ اس نظام کی رو سے اسلامی زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانونِ شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کے تبدیل ہونے سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷۔ اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیتِ عامہ یعنی تمام نوعِ انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۸۔ ربوبیتِ عامہ کے مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں [illegible] ضرورت کے لحاظ سے ہو [illegible] اسے قرآنی نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ۔۔۔۔۔۔۔۔

[illegible] پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں اس قرآنی نظامِ ربوبیت [illegible] صفاتِ خداوندی کی روشنی میں [illegible] کامل نشوونما [illegible]

اگر آپ طلوعِ اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوعِ اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ ایک داعیٔ انقلاب کی راہ
★ نیست ایں کارِ فقیہاں اے پسر!
★ ایفائے عہد
★ حرف آخر
★ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام
★ سال گزشتہ پر ایک نظر
★ ذرا ہمت سے کام لیجئے
★ مسٹر ڈیسائی کا چیلنج
★ مودودی صاحب کی تقریر
★ تو اے کبوتر بام حرم چه می دانی
★ مغرب کے لئے کرنے کا کام

ISLAMIC CONSTITUTION.

(LETTER No. 4)

QURANIC RESEARCH CENTRE,
Post Box 7313, Karachi,
Dated, 21—12—55.

Dear Brother,

In three earlier letters I have tried to explain the fundamental principles on which an Islamic Constitution should be based. Their essence is that the Quran gives eternal and immutable principles for the guidance of human affairs and that in the light of the Quranic principles the Islamic State of every age is fully competent to frame subsidiary laws to satisfy the then existing requirements. This basic provision should, in my humble view, be incorporated in Pakistan's Constitution in some such words :—

"The ultimate spiritual basis of all life is eternal, but it reveals itself in variety and change. A society based on this conception of Reality must reconcile, in its life, the categories of permanence and change. The eternal and permanent principles to govern human affairs are contained in the Book of Allah (Al-Quran) in the light of which an Islamic State is required to formulate detailed laws to suit the requirements of its time, guided but unhampered by the laws so framed by previous Islamic States. The Islamic State of Pakistan shall frame its laws, rules and regulations in accordance with this principle."

2. The purpose of the present letter is to invite your attention to one important aspect of the demand that Pakistan's Constitution should be based on "Quran and Sunnah." A constitution worth the name has to be clear, definite and unambiguous. The term "Quran & Sunnah" does not, wholly satisfy this essential requirement. "Quran" conveys, no doubt, a definite connotation, namely, a book in Arabic beginning with the word "Alhamd" and ending with the word "Wannaas", every word of which is authentic and unalterable. But "Sunnah" conveys no such precise connotation.

If "Sunnah" must be incorporated in the constitution then it is most essential that the underlying intention should be clearly and categorically expressed stating exactly as to what is meant by "Sunnah" and in which compilation it is to be found. It will not do just to say that "Sunnah" means the "established way the Prophet lived his life". It will be necessary to explain who "established" it, under whose authority and by what method, and where it is laid down. Also whether the "Sunnah" so defined is acceptable to the entire Muslim population of Pakistan or to only a section thereof. Any indifferent use of the term "Sunnah", without a comprehensive explanatory note, would be dangerous and open the way to many serious complications. The dismissed Constituent Assembly of which you are the successors, was indiscreet in using the term in the Objectives Resolution without making sure what it actually signified and thereby landed itself in untold difficulties.

I do hope you will not allow the sad story to be repeated but will be prepared to face facts, and if you must agree to the incorporation of the term, you will have it properly defined.

Yours Sincerely,

G. A. PARWEZ,

Director Quranic Research Centre,

To

ALL MUSLIM MEMBERS OF THE CONSTITUENT ASSEMBLY.

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ہفتہ ــــ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۴۸

ایک داعیٔ انقلاب کی راہ

بیاورید گر ایں جا بود سخن دانے
غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی دارد!

دنیا میں جو شخص مروجہ عقائد و نظریات کی تائید کے لئے اٹھتا ہے بغیر یہ تحقیق کئے کہ وہ صحیح ہیں یا غلط اس کیلئے زندگی کی راہیں بڑی آسانیوں اور خوش خرامیوں کی راہیں ہوتی ہیں۔ ہر وادی کہکشاں بار اور ہر گوشہ زعفراں زار۔ وہ جب پہلے دن اپنی آواز بلند کرتا ہے، تو لاکھوں، کروروں انسانوں کو اپنا ہم نوا پاتا ہے۔ وہ جب اور جہاں، اپنے سامعین سے خطاب کرتا ہے تو ان میں سے ہر متنفس

یہ سمجھتا ہے کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

وہ جب ان متوارث رسوم و مسالک کی تائید میں (بزعمِ خویش) دلائل و براہین پیش کرتا ہے ــــ اور دنیا میں کونسا عقیدہ اور تصور ایسا ہے جس کے حق میں عقل حیلہ جو، دلائل نہیں تراش سکتی ــــ تو عوام کا گروہِ عظیم اسے اپنے عہد کا سب سے بڑا مفکر قرار دیتا ہے۔ وہ جس طرف سے گذرے، ہزاروں انسان اس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اس طرح وہ ان کا مسلمہ لیڈر بن جاتا ہے۔ عقیدتمند اس کے لئے دیدہ و دل فرشِ راہ کرتے اور اس کے حضور سرِ نیاز خم کرتے ہیں ہر طرف سے اس پر پھولوں کی بارشیں ہوتی ہیں۔ ہر سمت سے "زندہ باد" کے فلک بوس نعروں سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے دنیا بھر کے سامانِ راحت و آسائش مہیا کئے جاتے ہیں۔ متبعین اس کے جلو میں اور خدام اس کی بارگاہ میں دست بستہ ایستادہ رہتے ہیں۔ اس کے سب کام بلامزد و معاوضہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر معتقد اس کی خدمت کو موجبِ ہزار ثواب و سعادت سمجھتا ہے۔ وہ جس شخص یا گروہ کو اپنا حریف خیال کرتا ہے اسے کچلنے کے لئے اسے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا کہ اسے باطل پرست اور فتنہ پرداز قرار دے کر اس کی مخالفت کو "جہاد فی سبیل اللہ" سے تعبیر کردے اور اس طرح عوام کے جذبات کو اس کے خلاف مشتعل کرتا رہے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لئے دولت کے ڈھیر اس کے قدموں میں لگ جاتے ہیں اور رضاکاروں کی جماعتیں اس کے اشارہ پر جان تک دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ اب وہ مفکر کے ساتھ مجاہد بھی بن جاتا ہے اور ایک مہیب قوت کا مالک۔ اسی قوت کے بل بوتے پر وہ دوسروں کو ڈرا کر، دھمکا کر، اپنے سب کام نکالتا رہتا ہے۔

عزت، آسائش۔ دولت۔ قوت۔ امارت یہ سب فتوحات اس کے حصے میں آتی ہیں جو عوام کے عقائد و تصورات کی تائید کے لئے اٹھتا ہے۔

اس کے برعکس اس شخص کی حالت پر غور کیجئے جو عوام کی رَو میں بہنے کی بجائے، زمانے کے دھارے کا رُخ صحیح سمت کی طرف موڑنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے وہ مروجہ عقائد اور موروثی نظریات میں سے ایک ایک کو لیتا ہے اور انہیں ایک غیر متبدل معیار پر پرکھ کر حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے۔ جب وہ عوام کے کسی غلط عقیدہ یا مسلک کے خلاف لب کشائی کرتا ہے تو بھری محفل میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے۔ اس کا کوئی محرم اور کوئی ہم نوا نہیں ہوتا۔ اسے کوئی ایک ساتھی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس کی تائید کے لئے اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ وہ تنہا اُٹھتا ہے تنہا چلتا پھرتا ہے، اور اس تنہائی سے اکتا کر خود ہی کہتا ہے کہ

غریبم درمیانِ محفلِ خویش
تو خود گو با کہ گویم مشکلِ خویش
ازاں ترسم کہ پنہانم شود فاش
غمِ خود را نگویم با دلِ خویش!

وہ اپنے پیغام کو لے کر، کو بہ کو، دہ بدہ، قریہ قریہ پھرتا ہے اور ہر ایک سے کہتا ہے کہ

بیا ور بدگر ایں حبا بو دسخت رانے
غریب شہرِ سخن ہائے گفتنی دارد

لیکن کوئی اس کی آواز پر کان نہیں دھرتا۔ وہ تھک کر بیٹھ جاتا اور ایک گہری سوچ میں ڈوب کے اپنے آپ سے کہتا ہے کہ

من شاید نخستیں آدمم از عالمے دیگر!

لیکن اس کے پیغام کی صداقت اور اس صداقت پر اس کا یقین، اُسے آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ وہ پھر اُٹھتا ہے اور باندازِ دگر اپنا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے قریب آتے ہیں اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ لیکن وہ یہ جانتے ہوئے کہ یونہی سطحی طور پر کسی انقلابی دعوت کی تائید کرنے والے اپنے آپ کو اور خود اس دعوت کو کس قدر نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان سے کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ

زمرغانِ چمن نا آشنایم بشاخِ آشیاں تنہا سرایم
اگر نازک دلی از من کراں گیر کہ خونم می تراود از ندایم

وہ اپنے پیغام کو اسی طرح دہرائے چلا جاتا ہے تا آنکہ وہ (پیغام) فضا میں اپنے نقوش مرتب کرنے شروع کر دیتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کو خطرہ محسوس ہوتا ہے جو اس کی اس انقلابی دعوت میں اپنی ان مفاد پرستیوں کی ہلاکت دیکھتے ہیں۔ وہ اس کی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ مخالفتوں کے اس ہجوم کے مقابلہ میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے اور اپنے اللہ سے دعا کرتا ہے کہ

با پرستارانِ شب دارم ستیز
باز روغن در چراغِ من بریز

وہ ان مخالفت کرنے والوں سے کہتا ہے کہ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲/۱۱۱) اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کی تائید میں دلائل و براہین پیش کرو۔ لیکن ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ دلیل و برہان کیا ہوتی ہے۔ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (۴۳/۲۳) ہم نے اپنے اسلاف کو اس مسلک پر چلتے دیکھا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ کل خیر فی اتباع من السلف (شامی جلد اول صفحہ ۴۴) نجات و سعادت، اسلاف کی اتباع ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ ہم ان کے نقوشِ قدم سے ذرا بھی اِدھر اُدھر ہٹنا نہیں چاہتے۔ وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (۲/۱۷۰) ذرا سوچو کہ اگر تمہارے اسلاف کی عقلی سطح اتنی اونچی نہ ہو کہ وہ حق کا ادراک کر سکے اور ان کے سامنے صحیح راستہ نہ آیا ہو، تو کیا تم پھر بھی انہی کے راستے پر چلتے جاؤ گے؟ اس جواب سے ان مفاد پرستوں کے سرغنوں کے ہاتھ میں مخالفت کا بہت بڑا حربہ آجاتا ہے۔ وہ عوام کے جذبات کو یہ کہہ کر مشتعل کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو! یہ شخص تمہارے بزرگوں کی توہین کرتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ وہ بے وقوف تھے۔ بے عقل تھے۔ گمراہ تھے۔ وہ سب غلط راستے پر چلتے تھے۔ صحیح راستے پر چلنے والا یہی ایک آیا ہے! اس قسم کی فتنہ انگیز باتوں سے وہ عوام کے جذبات کو بھڑکاتے اور انہیں اس کی ایذا رسانی پر اکساتے رہتے ہیں۔ اس طرح وہ اس کے خلاف ایسا محاذ کھڑا کر دیتے ہیں کہ وہ جہاں جاتا ہے اس کی بات سُننے اور سمجھے بغیر اس کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ علم و سند اور دلائل و براہین سے اس کے دعوے کی تردید نہیں کر سکتے۔ اس لئے جذبۂ انتقام اور احساس کہتری کی بنا پر اس کے خلاف اوچھے ہتھیاروں پر اتر آتے اور اسے گالیاں دینے لگ جاتے ہیں۔ یہ جھوٹا (کذاب) ہے۔ مفتری اور فتنہ پرداز ہے۔ باطل پرست (ساحر) ہے۔ پاگل (مجنون) ہے۔ اس قسم کی سوقیانہ تضحیک و استہزاء کے ساتھ اسے ڈرایا اور دھمکایا بھی جاتا ہے کہ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (۱۴/۱۳) یا تو تم ہمارا مسلک اختیار کر لو ورنہ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے۔ وہ ان گالیاں دینے اور ڈرانے دھمکانے والوں سے پوچھتا ہے کہ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (۱۱/۷۸) کیا تم ہزاروں، لاکھوں میں ایک انسان بھی ایسا نہیں جو متانت و سنجیدگی اور غور و فکر سے کام لے کر سوچے کہ میں کیا کہتا ہوں اور تم کیا کر رہے ہو؟ لیکن وہ اس کی پھبتیاں اڑانے اور آوازے کسنے کے سوا اس کا کچھ جواب نہیں دیتے اور اپنے حلقہ نشینوں سے یہ کہہ کر اپنی استدلالی بے مائیگی اور علمی تہی دامنی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم ایسے بچھوروں کو منہ نہیں لگانا چاہتے۔ اس داعیٔ انقلاب سے ہمدردی رکھنے والے اس سے پوچھتے ہیں کہ ان مخالفت کرنے والوں کی سمجھ میں تمہاری بات کیوں نہیں آتی تو وہ ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ

زخود رمیدہ چہ داند نوائے من زکجاست
جہانِ او دگر است و جہانِ من دگر است

وہ ان جگر خراش مشکلات کے طوفان اور جاں گسل مصائب و نوائب کے سیلابِ بے پناہ کا مردانہ وار مقابلہ کئے جاتا ہے لیکن بالآخر — دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت — کبھی کبھی اپنی تنہائیوں سے گھبرا جاتا ہے اور جھنجلا کر پکار اُٹھتا ہے کہ

یا بکش در سینۂ من آرزوئے انقلاب
یا دگرگوں کن نہادِ ایں زمان و ایں زمیں

یا چناں کن یا چنیں!

اور جب کسی کا دامنِ رافت و محبت اس کے آنسو پونچھنے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو اس کے دل میں بھولے ہوئے دکھوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس کے سینے کے زخم ہرے ہو جاتے

ہیں اور وہ سسکیاں لیتے ہوئے درد و کرب میں ڈوبی ہوئی آواز سے کہتا ہے کہ

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مئے حیات
کہنہ ہے بزمِ کائنات۔ تازہ ہیں میرے واردات

کبھی کبھی شدتِ احساس اس درجہ تیز ہو جاتی ہے کہ وہ راتوں کی تنہائیوں میں اٹھ کر سوچتا ہے کہ ساری دُنیا جو میری دعوت کو جھٹلاتی ہے تو کہیں میں ہی غلطی پر تو نہیں؟ اس سے وہ اپنے پیغام پر پھر غور کرتا ہے اور اس کی نگہ بصیرت اس کی صداقت کو اور نکھار کر سامنے لے آتی ہے وہ اس کی وجہ البصیرت ایمان و ایقان کی قوت سے تازگی حاصل کر کے پھر مصروفِ تگ و تاز ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس کی ساری عمر مسلسل جد و جہد اور پیہم تزاحم و تصادم میں گزر جاتی ہے اس لئے اسے کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ معلوم میری تمام عمر صَرفِ کاوش و کاہش ہی ہو جائے گی یا اس سعی و عمل کے درخشندہ نتائج بھی میرے لئے وجہِ شادابیٔ قلب و نظر بن سکیں گے؟ اس حسین آرزو کے جواب میں، ایک بے صوت صدا یہ کہہ کر اس کے لئے سامانِ صد ہزار طمانیت بہم پہنچا دیتی ہے کہ تیرا کام اس پیغام کو عام کرتے جانا ہے۔ یہ دیکھنا نہیں کہ اس کے نتائج کب مرتب ہو کر سامنے آتے ہیں۔ یہ کچھ ہمارے قانونِ مکافات کے مطابق ہو گا۔ وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ (۱۳/۴۰) اس طرح وہ انجام کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنی تگ و تاز کو تیز تر کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی مخالفت بھی شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ تا آنکہ وہ ایسے انتہائی نقطہ تک پہنچ جاتی ہے کہ یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (۲/۲۱۴) یہ داعیٔ انقلاب اور اس کے ساتھی پکار اٹھتے ہیں کہ اے نصرتِ خداوندی! تیرے آنے کا وقت کب ہو گا؟ کبھی تو ایسا ہوتا ہے، کہ اس پکار کے جواب میں یہ پیغام جاں فزا فردوسِ گوش بنتا ہے کہ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ (۲/۲۱۴)۔ دیکھو! وہ نصرتِ خداوندی آپہنچی۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہیں مزید استقلال و استقامت کی تاکید کی جاتی ہے اور اس طرح ان کی ساری عمر جد و جہد اور تگ و تاز ہی میں گزر جاتی ہے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی کہ یہ داعیٔ انقلاب تنہا آتا ہے۔ تنہا رہتا ہے اور یہ کہہ کر تنہا یہاں سے چلا جاتا ہے کہ

چو رخت خویش بربستم ازیں خاک — ہمہ گویند با ما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر — چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود

یعنی یوں تو اس کے گرد جاننے پہچاننے والوں کا ایک جمگھٹا رہتا تھا لیکن ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کا پیغام کیا ہے۔

یہ ہیں وہ لوگ جن کے متعلق جرمن شاعر (RILKE) نے کہا ہے کہ

Each torpid turn of the world
has such disinherited children,
to whom no longer what's been, and
not yet what is coming, belong.

یعنی جب دنیا جمود و تعطل کے بعد ایک نیا موڑ مڑنے لگتی ہے تو وہاں کچھ ایسے "محروم الارث یتیم" نظر آتے ہیں جو حاضر و موجود کو از خود تیاگ دیتے ہیں اور جو کچھ اس کی جگہ متشکل ہونے والا ہوتا ہے وہ ہنوز ضمیرِ کائنات میں پہلو بدل رہا ہوتا ہے اور اس کے آب و تاب سے موزوں ہونے میں ابھی وقت ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس سے بھی بہرہ یاب نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا وہ ماضی اور مستقبل دونوں کے ترکہ سے محروم رہتے ہیں۔ یہ حالت ہوتی ہے اس داعیٔ انقلاب کی جس کے نزدیک مروج و موجود غلط قرار پا جائے اور اس کی جگہ جن اقدار کے متمکن ہونے کے لئے وہ مصروفِ جد و جہد رہے وہ اس کی زندگی میں نتیجہ خیز پذیر نہ ہوں۔ وہ دنیا میں تنہا آتا ہے اور تخمِ انقلاب کی آبیاری کر کے تنہا دُنیا سے چلا جاتا ہے کہ بعد میں آنے والے اس کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوں۔ اسے اس کا افسوس نہیں ہوتا کہ اس نے اپنی جانفشانیوں کے نتائج اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھے۔

حضرات انبیاء کرامؑ دنیا میں سب سے بڑے داعیٔ انقلاب ہوتے ہیں۔ وہ ہر حاضر و موجود کو، خواہ اس کے ساتھ کتنی ہی مقدس نسبتیں کیوں نہ وابستہ ہوں، تنقیدی نگاہ سے دیکھ کر مستقل اقدار کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جو کچھ اس پر پورا نہ اترے اس کے متعلق اپنی پوری قوم (حتیٰ کہ خود اپنے اہلِ خاندان تک) سے برملا کہہ دیتے ہیں کہ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (۲۱/۵۲) اور انہیں ڈانٹ کر کہتے ہیں کہ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ (۲۱/۶۷) عام داعیانِ انقلاب اور حضرات انبیاء کرام میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ان پر کبھی وہ ارتیابی اور اضطرابی کیفیت طاری نہیں ہوتی جو ہجوم یاس کی وجہ سے کبھی کبھی اول الذکر کو گھیر لیتی ہے۔ یہ حضرات حقائق مستور کو اپنی نگاہوں سے بے نقاب دیکھ لیتے ہیں اس لئے انہیں اپنی دعوت پر عین الیقین ہوتا ہے۔ دیگر داعیانِ انقلاب اس مقام تک، غور و تدبر کے بعد تجرباتی طریق سے پہنچتے ہیں۔

سلسلۂ انبیاء کرام، نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس و اعظم پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ لیکن جس آسمانی انقلاب کی طرف وہ دعوت دیتے تھے، وہ قرآن کی شکل میں قیامت تک باقی رہے گا۔ لہٰذا اب دعوتِ انقلاب علیٰ منہاجِ نبوت کے معنی ہیں، دعوت الی القرآن۔ رسول اللہؐ نے جب قرآن کی طرف دعوت دی تو ہر طرف سے اس آواز کی مخالفت ہوئی۔ انہی مخالفین میں وہ اہلِ کتاب بھی تھے جن کے لئے یہ آواز کچھ نئی نہیں تھی۔ انہیں حضورؐ بار بار کہتے کہ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (۴۶/۹) میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔ نہ ہی جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کوئی نئی بات ہے۔ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا (۲/۱۳۵)، یہی

مسلک کی طرف دعوت ہے جسے تمہارے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیا تھا۔ اس لئے لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ (۲/۴۱) تمہیں تو یہ زیب نہیں دیتا کہ تم ہی سب سے پہلے اس دعوت سے انکار کر دو اور اس کی مخالفت پر اُتر آؤ۔ لیکن ان دلائل و براہین کو کون سُنتا تھا؛ انہوں نے مخالفت کی اور جی بھر کر مخالفت کی۔

حضورؐ کے بعد بعینہٖ یہی صورت ہر اس داعیِ انقلاب کے ساتھ پیش آتی ہے جو قرآن کی طرف دعوت دینے کے لئے اٹھتا ہے۔ وہاں مخالفت سابقہ اہلِ کتاب کی طرف سے تھی۔ اب وہی مخالفت خود مسلمانوں کی طرف سے ہوتی ہے حالانکہ یہ اُٹھتے بیٹھتے یہی قرآن کو زندگی کا واحد ضابطہ قوانین اور خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی آخری اور مکمل ہدایت بھی کہتے ہیں۔ یہ بات بظاہر بڑی تعجب انگیز اور حیرت افزا نظر آتی ہے کہ ایک قوم ایک کتاب پر ایمان کی بھی مدعی ہو لیکن جب اسے اس کتاب کی طرف آنے کی دعوت دی جائے تو وہ اس دعوت کی شدید ترین مخالفت کرے۔ بات فی الواقعہ تعجب انگیز ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ یہ ایک ایسی حقیقت نفس الامری ہے جس پر تاریخ اور خود ہمارا دور شاہد ہے۔ اس مخالفت میں، مسلمانوں کا ردعمل، ان کے اعتراضات اور (بزعم خویش) دلائل بعینہٖ وہی ہوتے ہیں جنہیں قرآن نے اقوامِ سابقہ، اور نبی اکرمؐ کے زمانہ میں اہلِ کتاب کی طرف سے پیش کردہ بیان کیا ہے۔ وہی۔ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (۴۳/۲۳) کی اسلاف پرستی کی دلیل! اور پھر مخالفت میں لفظ بہ لفظ اور قدم بقدم اُن ہی کی روش کی تقلید۔ ان حالات میں آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ایک داعی الی القرآن کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ کس طرح ان تمام آسائشوں اور راحتوں سے محروم رہ جاتا ہے جو روشِ عامہ کی تائید کرنے کی صورت میں پکے ہوئے پھل کی طرح ازخود اس کی جھولی میں آ گرتی تھیں۔ وہ صرف ان آسائشوں اور راحتوں ہی سے محروم نہیں رہتا بلکہ ہر طرف سے ہدفِ طعن و تشنیع اور موردِ سب و شتم بھی بنتا ہے۔ یہ سب اس جرم کی پاداش میں کہ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ؛ وہ کہتا ہے کہ رب صرف اللہ ہے۔ اور اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (۷/۳) صرف اسی کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ اور کسی کارساز کی اتباع مت کرو۔

۔ میری دعوت یہی ہے اور اسی کی پاداش میں میرے ساتھ وہ کچھ ہو رہا ہے جو ہر داعیِ انقلاب کے لئے مقدر ہے۔ [بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں نے اس دعوت سے دلچسپی رکھنے والوں کو براہِ راست مخاطب کیا ہو۔ لیکن پچھلے دنوں مجھے احباب کی طرف سے اتنے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ میں نے ضروری سمجھا کہ ہفتہ وار طلوعِ اسلام کی اس آخری اشاعت میں، متکلم کے صیغہ میں ان سے کچھ باتیں کرلوں۔ یہ ہے اُس "تشبیب" کے بعد اس نامانوس سی "گریز" کی وجہ]۔ میری زندگی کا ابتدائی دور اسی روشِ عامہ کی تقلید میں گزرا جس میں نہ ذہن کے لئے کسی فکری کاوش کی ضرورت ہوتی ہے نہ قلب کے لئے کسی احساسی اضطراب کی، لیکن جس کے راستے میں راحتیں اور آسائشیں امارتیں اور قیادتیں آنے والے کے انتظار میں صف بستہ کھڑی ہوتی ہیں۔

بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

لیکن قبل اس کے کہ میں ان سحر آفریں مناظر میں کھو جاتا، قرآن کی نورانی مشعل میرے سامنے آگئی جس نے ہر فریب سے پردہ اٹھا کر ہر شے کو اس کے صحیح صحیح مقام پر دکھا دیا۔ یہ کس طرح سے ہوا، اس کی تفصیل طول طویل ہے۔ اگر میں نے کبھی اپنی زندگی اور اس کی کشمکش کے احوال و کوائف منضبط کئے تو یہ دلچسپ داستان بھی سامنے آجائے گی۔ لیکن سب کچھ کہہ چکنے کے بعد بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ سب مبدارِ فیض کی کرم گستری سے ہوا۔ اگر اس کی توفیق شاملِ حال نہ ہوتی تو ان نظر فریب جاذبیتوں کی سحرکار بھول بھلیوں سے نکلنا میرے لئے ناممکن تھا — وہ سحرکار جاذبیتیں کہ اب جن کی طرف میں نگہِ بازگشت ڈالتا ہوں تو بھیانک دلدل اور خاردار جھاڑیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتیں۔ میرا دامن ان خاردار جھاڑیوں سے ایک ہی جھٹکے میں نہیں چھوٹ گیا تھا۔ اس سے ایک ایک کانٹا الگ کرنا پڑا تھا اور اس میں برسوں لگ گئے تھے۔ میری زندگی کا سب سے تلخ اور صبر آزما زمانہ وہی تھا جس میں میں اس تگ و تاز میں مصروف تھا۔ یہ درحقیقت بیم و رجا کا ایک دوراہہ تھا جس پر میں عجیب کشمکش میں کھڑا تھا۔ ایک طرف وہ جنت تھی جو بغیر کسی محنت و مشقت کے سامنے رکھی تھی۔ صرف یہاں کی راحتوں اور آسائشوں کی جنت ہی نہیں بلکہ آخرت کی جنت بھی جس کے متعلق سمجھایا جاتا تھا (اور روشِ عامہ کی تقلید میں یہی سمجھا جاتا ہے) کہ وہ نہایت آسانی سے خریدی جا سکتی ہے۔ اور دوسری طرف سنگلاخ وادیوں اور "تیشہ و سنگِ گراں" کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ جنت ہاتھ سے چھنتی نظر آرہی تھی۔ اور دوسری طرف ہنوز دور دور تک کسی شگفتگی و شادابی کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ متوارث عقائد کا نفسیاتی اثر غیر شعوری طور پر، (گوسالہ کی محبت کی طرح) دل کی گہرائیوں میں پیوست تھا اور یہ نئے تصورات بہت آہستہ آہستہ، اُفقِ ذہنی سے قلب کی سطح پر اُبھر رہے تھے۔ اس لئے ان کی صداقت پر ابھی حتمی اور قطعی یقین بھی نہیں تھا۔ میں جب اس کشمکش کی ہمت شکن تلخیوں کو یاد کرتا ہوں جن کے نشتر ایک سانس میں پیوستِ رگِ جان ہوتے رہتے تھے۔ تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میری حالت وہی تھی

جس کے متعلق حضرت علامہ نے کہا ہے کہ

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومیؔ کبھی پیچ و تاب رازیؔ

لیکن میں قدم قدم پر اُس بارگہِ صمدیت کے حضور سجدہ ریز ہوں جس کی عطا فرمودہ ہمت اور بصیرت سے بیں بیم و رجا کے اس جاں گسل اور جگر خراش مرحلے سے بھی بعافیت گذر گیا اور میرا ہر گمان، یقین سے اور ہر شک علیٰ وجہ البصیرت ایمان سے بدل گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اس داخلی کشمکش سے نجات مل جانے کے بعد، خارجی مشکلات کا آغاز ہو گیا اور مخالفتوں کا یہ ہجوم دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ اور چلا جا رہا ہے۔ لیکن، یہ حقیقت ہے کہ (اگرچہ بظاہر یہ مشکلات بڑی دشوار گزار دکھائی دیتی ہیں لیکن) یہ اُس داخلی کشمکش کی جگر گدازی اور سینہ سوزی کے مقابلہ میں ہیچ ہیں جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں۔ اس فرق کو صحیح طور پر سمجھانے کے لئے مجھے وقت پیش آتی اگر میرے سامنے غالب کا یہ شعر نہ آجاتا جس میں اس نے اپنے ایسی ہی واردات کو دعائیہ رنگ میں یوں پیش کیا ہے کہ

نہ نالم از ستمِ غیر۔ بر تو باد۔ کہ تو
مرا بدستِ من دیو سار نگزاری۔

لہذا ان مخالفتوں اور مشکلوں کا میں نے نہ کبھی اثر لیا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی شکایت ہے شکایت کی تو بات ہی کچھ نہیں، اس لئے کہ میں جب جی چاہے انہیں ختم کر سکتا ہوں۔ شاید ہی کوئی دن ایسا جاتا ہو کہ ملک کی بڑی بڑی "مقبول عام" جماعتوں اور بااثر شخصیتوں کی طرف سے مجھے اس قسم کے پیغام نہ آتے ہوں کہ اگر میں فلاں معاملہ میں ان سے مفاہمت کر لوں تو ان کا پورا تعاون مجھے حاصل ہو سکتا ہے۔ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (۹/۶۸)

لہذا ان مشکلات کا گلہ کیسا جن کا ختم کر دینا اپنے بس کی بات ہو۔ حق سے ذرا پیچھے ہٹنا ہی تو ہے، یہ تمام مخالفتیں، رفاقتوں میں بدل سکتی ہیں! اس لئے ان ناساعد حالات سے ذاتی طور پر میں متاثر نہیں ہوتا، البتہ اس سے اس مشن کے راستے میں جس قدر رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں، ان کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ لیکن یہ رکاوٹیں کہاں نہیں پیدا ہوئیں جو یہاں پیدا نہیں ہوں گی؟

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

میں نے اپنے ذاتی واردات و تجربات اور احوال و کوائف میں سے یہ چند ریزے اس لئے احباب کی خدمت میں پیش کئے ہیں کہ ان میں انہیں اُن کے اس قسم کے سوالات کا جواب مل جائے گا کہ ملک کی باقی جماعتیں اور تحریکیں اس تیزی سے بڑھ اور پھیل رہی ہیں اور قرآنی فکر کی یہ آواز بڑی سست خرام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو دعوت اور تحریک روش عامہ کی تائید میں اٹھے گی اس کے بڑھنے اور پھیلنے میں نہ دقت لگے گا نہ کوئی دقت پیش آئے گی۔ وہ دعوت اور تحریک تو پہلے سے موجود ہوتی ہے، اسے صرف منظم کرنا ہوتا ہے۔ لیکن جو تحریک فکری انقلاب کی دعوت پیش کرے اور اس میں ہنگامی جذبات کو قطعاً دخیل نہ ہونے دے۔ اس کی رفتار کبھی شعلہ صفت اور برق آسا نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کی تحریک خارجی تبدیلی سے پہلے داخلی تبدیلی چاہتی ہے۔۔۔ اور بہت بڑی داخلی تبدیلی۔ میں اپنے حلقۂ فکر کے تمام احباب سے فرداً فرداً متعارف نہیں ہوں لیکن جن احباب سے ذاتی طور پر میں واقف ہوں (خواہ وہ مقامی ہوں یا باہر کے) اور جو اس تحریک کی تیز رفتاری کے لئے مخلصانہ طور پر آرزومند ہیں، میں نے جب ان کا مطالعہ کیا تو ان میں سے بھی بہت کم ایسے دکھائی دیئے جن میں وہ فکری اور قلبی تبدیلی کماحقہٗ آچکی ہو جو قرآنی انقلاب کے لئے شرطِ اولیں ہے میری ان تمام احباب سے جو اس انقلاب کے بروئے کار آنے کے متمنی ہیں، درخواست ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ان میں ذہنی اور قلبی تبدیلی کس حد تک پیدا ہو چکی ہے۔ ذہنی یہ کہ کیا وہ علیٰ وجہ البصیرت سمجھ چکے ہیں کہ قرآن چاہتا کیا ہے اور جس انقلاب کے لئے وہ اس قدر بیتاب ہیں، اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور قلبی تبدیلی یہ کہ کیا وہ اپنے آپ کو اس کے لئے تیار پاتے ہیں کہ ان کا جو عقیدہ، نظریہ، تصور یا مسلک اور عمل قرآن کے خلاف ہو، اسے بلا تامل و تذبذب، دل کے پورے اطمینان کے ساتھ چھوڑ دیں اور جو روش قرآن متعین کرے اس پر استقلال و استقامت سے گامزن ہو جائیں۔ اگر وہ اپنے اندر اس قسم کی تبدیلی پاتے ہیں تو پھر انہیں سمجھنا چاہیئے کہ قرآنی انقلاب کے لئے ان کی تمنا صحیح بنیادوں پر استوار ہے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اس انقلاب کے لئے عملاً کچھ کر سکیں گے۔ اس قسم کے احباب میں باہمی رابطہ پیدا کر کے اجتماعی مشاورت کی شکل پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس سے بہتر نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔

بعض احباب نے لکھا ہے کہ مجھے چاہیئے کہ ایک ایسا تربیتی مرکز قائم کر دوں جس میں ایسے تعلیم یافتہ نوجوان جو قرآنی فکر سے متاثر اور متفق ہوں، کچھ وقت کے لئے میرے زیر تعلیم و تربیت رہ کر، اس فکری تحریک کو عام کرنے کا ذریعہ بن سکیں۔ یہ تجویز عمدہ ہے اور ایک عرصے سے خود میرے پیش نظر۔ لیکن اس میں دو گونہ دشواریاں ہیں۔ ایک تو اس قسم کے نوجوانوں کا اس مقصد کے لئے تیار (ہی نہیں بلکہ بیتاب) ہونا اور دوسرے اُن کے اخراجات۔ میرا خیال ہے کہ اس کی تو توقع کرنا ہی بیکار ہے کہ کوئی ایسا تعلیم یافتہ نوجوان مل جائے جو اپنا خرچ آپ برداشت کر کے، اس مقصد کے لئے تربیتی مرکز میں آنے کے لئے آمادہ ہو۔ لہذا اس کی عملی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ کچھ

تعلیم یافتہ نوجوان ہوں جو اس قسم کی قرآنی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے آرزومند ہوں اور کچھ ذی ثروت احباب ایسے ہوں جو ان میں سے ایک ایک دو دو طالب علموں کا خرچ برداشت کرلیں۔ واضح رہے کہ ان طالب علموں کو بڑا محنتی اور ذہین ہونا چاہیئے اور ان کی تعلیم اچھی خاصی۔ قرآن سمجھنے کے لئے مشرقی اور مغربی دونوں علوم کی ضرورت لاینفک ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآنی فکر کا مبلغ ہونے کے لئے صرف ذہنی تعلیم ہی کافی نہیں۔ اس کے لئے داخلی تبدیلی کی ضرورت بھی اشد ہے۔ داخلی تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ زندگی کی اقدار (VALUES) کے متعلق انسان کا زاویۂ نگاہ بدل جائے اور انسان کا مقصد ہدایت خداوندی کی روشنی میں ربوبیت عامّہ قرار پا جائے۔

ضمناً اس فکر کے عام کرنے کے سلسلہ میں ایک بنیادی اصول کا پیش نظر رکھنا بھی نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ اس کے لئے کوئی ناجائز طریقہ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ ناجائز طریق سے حاصل کردہ پیسہ بھی اس کے لئے صرف نہ کیا جائے اور کوئی جھوٹی اور غلط بات کسی سے نہ کہی جائے۔ کئی احباب میرے پاس ایسی ایسی تجاویز (بلکہ پیش کش) لے کر آتے ہیں جن سے روپیہ بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے اور مروجہ چلن کے مطابق ان میں بظاہر کوئی بات قابلِ اعتراض بھی نظر نہیں آتی۔ لیکن چونکہ وہ قرآنی اصولوں کے مطابق قابلِ اعتراض ہوتی ہے اس لئے میں نہ انہیں قبول کرتا ہوں اور نہ انہیں اس کی جرأت دلاتا ہوں۔ ان میں سے بعض کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ایک اعلیٰ مقصد کے لئے اس قسم کے ذرائع معیوب نہیں سمجھنے چاہئیں۔ [آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ مجھ سے اگلے دنوں ایک بہت بڑے لیڈر نے بھی (جس کی بغل میں قرآن بھی رہتا ہے) یہ کہا کہ نیک مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کا حربہ استعمال کر لینا چاہیئے!] لیکن قرآن، مقصد اور ذریعہ میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ غلط راستہ آپ کو صحیح منزل کی طرف لے جائے۔ لہٰذا اس مشن کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو اس کی خاص طور پر احتیاط کرنی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں ایک بات اپنے تجربہ کی بناء پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے قرآن کی آواز کو قریب بیس سال ہوئے تنہا بلند کیا تھا اور اس دوران میں اسے تنہا ہی آگے بڑھاتا رہا۔ اس بے سروسامانی کے باوجود آج پاکستان کا کوئی شہر اور قریہ ایسا نہیں جو اس آواز سے ناآشنا ہو۔ اس کامیابی کا پیغام کی صداقت کے علاوہ بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ اس پیغام کی نشر و اشاعت میں کبھی کوئی ناجائز ذریعہ استعمال نہیں کیا گیا۔ بات بالکل واضح ہے۔ جو تحریک زندگی کے ہر شعبہ میں دیانت و امانت، اور عدل و احسان کی داعی ہو وہ اگر اپنی کامیابی کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرے تو یہی اس کی سب سے بڑی ناکامی ہے۔

بعض احباب نے کہا ہے کہ میرے ملازمت چھوڑنے سے میری آمدنی میں جو اس قدر کمی آگئی، میرے مشن کی ترقی کی رفتار پر اس کا بھی اثر پڑا ہے۔ جب ملازمت ترک کر دینے کا سوال میرے زیر غور تھا تو معاملہ کے دونوں پہلو میرے سامنے تھے ایک طرف یہ حقیقت تھی کہ اس سے میری آمدنی ایک تہائی سے بھی کم رہ جائے گی اور دوسری طرف یہ کہ اس سے مجھے اپنے کام کے لئے سارا وقت مل جائے گا۔ میری زندگی میں "وقت" کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کا راز یہ ہے کہ میں وقت کو صحیح مصرف میں لاتا رہا ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میں عمر کے اس حصے میں پہنچ رہا ہوں جہاں مجھے زیادہ سے زیادہ وقت اپنے مشن کے لئے فارغ کر لینا چاہیئے۔ چونکہ میری نگاہ میں وقت کی قیمت اس آمدنی سے کہیں زیادہ تھی جو مجھے تسلسلِ ملازمت سے ہو سکتی تھی۔ اس لئے میں نے کافی سوچ بچار کے بعد ترکِ ملازمت کو ترجیح دی۔ اور میں اپنے اس فیصلہ پر قطعاً پشیمان نہیں۔ میرا مشن میری زندگی کا جزو بن چکا ہے اور میں، بتوفیق ایزدی اس کے لئے زندگی کے آخری سانس تک مصروفِ کار رہوں گا۔ اگر ذرائع کی کمی یا فقدان میرے افکار و تصورات کی نشر و اشاعت میں حائل ہو جائیں تو مجھے اس کا بھی غم نہیں۔ میں انہیں کم از کم صفحۂ قرطاس پر تو محفوظ کر جاؤں گا۔ اس امید پر کہ یہ شاید، اسی راہ گذر پر کسی بعد میں آنے والے راہرو کے لئے نشانِ منزل کا ذریعہ بن سکیں۔ جو احباب اپنی اپنی جگہ اس فکر کے عام کرنے میں کوشاں ہیں، ان سے بھی میری یہی درخواست ہے کہ وہ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ انہیں اس کے لئے کس قدر ذرائع میسر ہیں، اپنی بساط کے مطابق کام کرتے جائیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (۱۱/۱۱۵) جو کام مخلصانہ اور حسن کارانہ انداز سے کیا جائے وہ کبھی اکارت نہیں جاتا۔ یہ اس خدا کا قانون ہے جس کے قوانین میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور اسے بھی سمجھ رکھئے کہ زندگی تبدیلی کوئی معمولی کام نہیں۔ دنیا میں کوئی خارجی انقلاب کبھی اندرونی تبدیلی کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (۱۳/۱۱)، ایک غیر متبدل اور اٹل سنت اللہ ہے۔ اس تبدیلی کے بغیر، خالی جذبات کی بنیادوں پر ہنگامہ خیزیاں تو ہو سکتی ہیں صحیح انقلاب کبھی ظہور میں نہیں آ سکتا۔ بالخصوص قرآنی انقلاب جس کا مقصد ہی اقدار کو بدلنا ہے اور اقدار بدل نہیں سکتیں جب تک انسان کا زاویۂ نگاہ نہ بدل جائے

یک منزل راہمی بینی ز راہ — قیمت ہر شے باندازِ نگاہ

نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود

ایں زمین و آسمان دیگر شود

اسی "نوعِ دیگر ہیں" کو ایمان کہتے ہیں جو داخلی تبدیلی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس تبدیلی کے بغیر کوئی تعمیری انقلاب ظہور میں نہیں آسکتا۔ دنیا کا سب سے بڑا انقلاب جو دنیا کی سب سے بڑی شخصیت (فداہ ابی و امی) کے ہاتھوں برپا ہوا تھا، اس کی بنیاد بھی داخلی تبدیلی ہی تھی۔ لہٰذا اس انداز سے قرآنی انقلاب کے لئے کوشاں ہونا موجب ارشادِ خداوندی اور مطابق سُنّتِ نبوی ہے اور اس کی کامیابی یقینی۔

وَاللّٰہ علیٰ مانقول شہید۔

اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ لیکن بعید از سپاس گذاری ہوگا اگر میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی ہمدردیاں اور رفاقتیں اس دشوار گذار راستہ میں میرے لئے موجب تقویت رہی ہیں۔ انہوں نے میرا ساتھ لوجہ اللہ دیا ہے لیکن چونکہ ان کے ہم عناں ہونے سے میرا سفر سہل ہو گیا اس لئے مجھ پر ان کا شکریہ لازمی ہے اور اصل تو یہ ہے کہ مَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ (۳۱/۱۲) یہ شکر گذاری بھی خود اپنی ذات کے نمود و ارتقاء ہی کے لئے ہوتی ہے۔ یہی وہ ہمصفیرانِ چمن ہیں جن کی موجودگی سے مجھے یہ اطمینان حاصل ہے کہ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
میرے اب یہاں رازداں اور بھی ہیں

میرے یہ دیدہ و نادیدہ "رازداں" میرا محبت بھرا سلام قبول کریں اور اس دعا میں میرے ہم نوا ہوں کہ

یارب درونِ سینہ دلِ باخبر بدہ — در بادہ نشہ را نگرم، آں نظر بدہ
سازی اگر حریفِ یمِ بے کراں مرا — با اضطرابِ موج سکونِ گہر بدہ
شاہینِ من بصیدِ پلنگاں گذاشتی! — ہمت بلند و چنگل ازیں تیز تر بدہ
رفتم کہ طائرانِ حرم را کنم شکار — تیرے کہ نافگندہ فتد کارگر بدہ
خاکم بنورِ نغمۂ داؤد بر فروز
ہر ذرۂ مرا پر و بالِ شرر بدہ۔

وَالسّلام

پرویز

۲۷ دسمبر ۱۹۵۵ء

حرفِ آخر

یہ سطور ۲۵ دسمبر کو لکھی جا رہی ہیں جبکہ ملک بھر میں قائدِ اعظم (اعلیٰ اللہ مقامہٗ) کا یومِ پیدائش منایا جا رہا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جو کچھ ہم، ہفتہ وار طلوعِ اسلام کی اس آخری اشاعت میں بطور حرفِ آخر کہنا چاہتے تھے، وہ قائدِ اعظم کے یومِ پیدائش کے ساتھ منطبق ہو رہا ہے۔ ہم نے کہنا یہ تھا کہ قائدِ اعظم نے جو آخری بات اہلِ پاکستان سے کہی تھی وہ کیا تھی؟ اس سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس وقت، ہندوستان۔ روس، افغانستان کا جو محور (Axis) پاکستان کو بری طرح اپنے گھیرے میں لئے جا رہا ہے یہ صورتِ حالات بڑی تشویش انگیز ہے، اور ذمہ دار حضرات اس کے مداوا کے لئے مختلف تدابیر سوچ رہے ہوں گے۔ لیکن جہاں تک ہم غور کر سکتے ہیں اس کا ایک ہی توڑ ہے اور وہ یہ کہ پاکستان میں بلا مزید تاخیر وہ معاشی نظام رائج کر دیا جائے جسے قرآن ان مصائب و مشکلات کا واحد حل قرار دیتا ہے۔ اس ضمن میں علامہ اقبال نے اپنے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کے خط میں قائدِ اعظم کو لکھا تھا کہ

> شریعتِ اسلامی کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو اس کی رُو سے ہر فرد مملکت کو اس کے رزق کی ضمانت مملکت کی طرف سے مل جاتی ہے...... اسلام کے لئے معاشی جمہوریت (یعنی رزق کے سرچشموں کا عوام کے لئے عام ہو جانا)...... کوئی انقلاب نہیں ہوگا بلکہ حقیقی اور خالص اسلام کی طرف مراجعت ہوگی۔

اور قائدِ اعظم نے اپنی آخری تقریر میں (جو انہوں نے یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو، اسٹیٹ بینک کے افتتاح کے موقع پر کی تھی)، فرمایا تھا کہ

> مغرب کے معاشی نظام نے نوعِ انسانی کے لئے لاینحل مسائل پیدا کر دیئے ہیں...... اس نظام کی رُو سے ہم اپنا نصب العین، یعنی عوام کی مرفہ الحالی اور اطمینان، کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہمیں اپنا راستہ آپ تراشنا چاہیئے اور دنیا کے سامنے وہ نظام پیش کرنا چاہیئے جو اسلام کے، نوعِ انسانی کی مساوات اور عدلِ عمرانی کے تصور پر مبنی ہو۔

یہ الفاظ کہ اسلام اپنا مخصوص معاشی نظام رکھتا ہے، ہم یہاں برسوں سے مختلف زبانوں سے سنتے چلے آرہے ہیں لیکن وہ نظام درحقیقت ہے کیا۔ اس کے متعلق آج تک کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ طلوعِ اسلام ایک عرصہ سے اس نظام کو پیش کرتا چلا آرہا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ قرآن کی رُو سے ہر فرد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی اور اس کی ذات کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا مملکت کا بنیادی فریضہ ہے۔ اگر کوئی مملکت اس ذمہ داری کو اپنا فریضہ نہیں سمجھتی یا اس فریضہ کی ادائیگی نہیں کرتی تو وہ مملکت کبھی اسلامی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اسلامی مملکت وہی ہو سکتی ہے جس کے کاروبار میں صفاتِ خداوندی منعکس ہو رہی ہوں اور ان صفات میں سب سے پہلی اور بنیادی صفت، رب العالمینی کی صفت ہے یعنی تمام نوعِ انسانی کی ربوبیت۔ اس میں انسان کے جسم اور اس کی ذات دونوں کے تقاضوں کا پورا کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مملکت اس اہم فریضہ سے اسی صورت میں عہدہ برآ ہو سکتی ہے جب رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے ملت کی مشترکہ تحویل میں رہیں۔

ہم اس حقیقت کو برسوں سے دُہرائے جا رہے ہیں لیکن اربابِ اقتدار اور مذہب پرست طبقہ دونوں کی طرف سے اس کی مخالفت ہو رہی ہے۔ اربابِ اقتدار کی طرف سے اس لئے کہ اس سے خود ان کے مفاد پر زد پڑتی ہے اور مذہب پرست طبقہ کی طرف سے اس لئے کہ وہ اس مذہب کا علمبردار ہے جو ہمارے دورِ ملوکیت میں وضع ہوا تھا (اور جو اس دین کی نقیض ہے جسے نبی اکرمؐ نے خدا سے لے کر دنیا کو دیا تھا) اور اس کے اپنے مفاد خود اس سرمایہ دار طبقہ سے وابستہ ہیں۔ لیکن ہم اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر دُہرا دینا چاہتے ہیں کہ اگر پہلے اس کی ضرورت شدید تھی تو اب اشد ہے کہ اس قرآنی نظام کو یہاں بلا مزید تاخیر جاری کر دیا جائے ورنہ، موجودہ نظام کے تحت یہاں عوام کی جو حالت ہو رہی ہے وہ کمیونزم کے سیلابِ بلا کیلئے خود دعوت بن جایا کرتی ہے روس اور ہندوستان کے شئوم عزائم کا یہی ایک توڑ ہے۔

بہ ملازمانِ سلطاں خبرے دہم ز رازے — کہ جہاں تواں گرفتن بہ نوائے دل نوازے

قرآنی نظامِ ربوبیت ہی وہ "نوائے استوار" ہے جس سے ہم دلوں کی تسخیر کر سکتے ہیں۔

ذرا ہمت سے کام لیجئے

پچھلے چند دنوں میں ہمیں مجلس دستور ساز کے متعدد اراکین سے تبادلۂ خیالات کا موقعہ ملا۔ ان میں اکثر حضرات ایسے نظر آئے۔ جو اسلامی دستور کے متعلق اس نظریہ سے متفق ہیں جسے طلوع اسلام پیش کر رہا ہے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ انہیں یہ ڈر ہے کہ اگر اُس قسم کا دستور مرتب نہ کیا گیا جیسا کہ قدامت پرست طبقہ چاہتا ہے تو ان کی طرف سے بہت شور مچایا جائے گا۔ اور وہ عوام کو مشتعل کر کے ان کے خلاف کھڑا کر دیں گے۔

ہم ان حضرات کی خدمت میں ایک گذارش کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ہمیں اس پر اصرار نہیں کہ آپ دستور کی تدوین میں اُسی مسلک کو سامنے رکھیں جسے طلوع اسلام پیش کرتا ہے۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آپ جس مسلک کو بھی حق و صداقت کا مسلک سمجھتے ہیں۔ اسے پیش کرنے میں اسلئے پس و پیش نہ کریں کہ ایسا کرنے سے مخالف طبقہ شور مچا دے گا اور لوگوں کو آپ کے خلاف کھڑا کر دے گا۔ آپ سوچئے کہ آپ کتنی بڑی ذمہ داری کو لے کر بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پیشتر کئی بار لکھا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کی پوری تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک مملکت اس عزم کو لے کر اٹھی ہے کہ اس نے اسلامی آئین مرتب کرنا ہے۔ آپ کا مرتب کردہ آئین تاریخ میں پہلی مثال اور آنیوالی نسلوں کے لئے نظیر بنے گا۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچئے کہ اسلامی آئین محض کسی علامات کا نام نہیں کہ وہ اس قسم کی بنا دی گئیں تو کیا اور اُس قسم کی بن گئیں تو کیا۔ ہمارا دنیا کے سامنے دعوےٰ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم بے مثل و بے نظیر ہے۔ اور دنیا کا کوئی نظام ایسے نتائج مرتب نہیں کر سکتا جس قسم کے نتائج اسلامی نظام مرتب کرتا ہے اگر ہم نے کسی غیر اسلامی نظام کو اسلامی کہہ کر نافذ کر دیا تو ظاہر ہے کہ اس سے وہ نتائج مرتب نہیں ہوں گے۔ جو اسلام کی تعلیم کا منشاء ہے۔ اس سے دنیا یہ نہیں سمجھے گی کہ ہمارا آئین اسلامی نہیں تھا۔ وہ یہ کہے گی کہ اسلام کا یہ دعوےٰ ہی غلط ہے کہ اس کی تعلیم ایسے نتائج پیدا کرتی ہے۔ جس کی مثال و نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ ان حالات کے ماتحت آپ سوچئے اور بار بار سوچئے کہ خود اسلام کی طرف سے آپ حضرات پر کتنی بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ جس بات کو بھی حق سمجھتے ہیں۔ اس کے اظہار میں جرأت سے کام لیں۔ اور اس سے قطعاً نہ گھبرائیں کہ اس سے آپ کی مخالفت ہو جائیگی۔ ہم آپ، یا ہمارے جیسے اور لاکھوں انسان اگر کسی مخالفت کے طوفان میں بہہ جائیں تو اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ لیکن اگر ہماری کم ہمتی سے اسلام کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو پھر ہم نہ دین کے رہتے ہیں نہ دنیا کے۔ ہمیں معلوم ہو کہ رجعت پسند قوتوں نے اپنے تازیانہ پروپیگنڈے سے ملک کی فضا میں ارتعاش پیدا کر رکھا ہے لیکن آپ اس سے نہ گھبرائیے۔ حق کا ساتھ دیجئے۔ اور اس سے جریدہ عالم پر اپنا دوام ثبت کیجئے۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل اگر کوئی عمل دفتر میں ہے

تو اے کبوتر بامِ حرم چہ می دانی؟

ملک کی انتظامی مشینری کی دن بدن بڑھتی ہوئی خرابیوں کو دیکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں اصلاح کیوں نہیں ہوتی۔ اس سوال کا جواب کوئی کچھ دیتا ہے کوئی کچھ۔ اور جب ایک حساس قلب یہ دیکھتا ہے کہ ان تمام جوابات کے باوجود حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ تو وہ مستقبل کی طرف سے مایوس ہو جاتا ہے۔ یہ صورت بڑی تشویش انگیز بلکہ خطرناک ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ نظم و نسق کی خرابیوں کی وجوہات متعدد ہیں۔ لیکن ان میں ایک وجہ ایسی ہے کہ جو بالکل بین ہے۔ اور وہ یہ کہ ہمارے ارباب اقتدار کو اس کا علم اور احساس ہی نہیں ہوتا کہ عوام کن مشکلات سے دوچار ہیں۔ اور ان کی زندگی کس طرح سے اجیرن ہو رہی ہے۔ مثلاً ہمارے وزیر خوراک (اس سے کوئی خاص فرد مراد نہیں) کو کبھی اس کا پتہ نہیں چل سکتا کہ ملک کے عوام کو کھانے پینے کی اشیاء حاصل کرنے میں کس قدر دشواری پیش آتی ہے۔ یہ چیزیں انہیں کس قدر گراں نرخ پر ملتی ہیں۔ اور جو کچھ ملتا ہے۔ اس میں اصلی کتنا ہوتا ہے اور ملاوٹ کتنی۔ یہ اس لئے کہ وزیر صاحب کے اپنے مکان میں ہر شے صاف ستھری، نکھری، اصلی، خالص بالعموم بلا دام اور اگر وہ صاحب بہت بڑے دیانت دار ہیں تو کنٹرول کے نرخ پر، یا واجبی بھاؤ سے بلا کسی قسم کی دقت و دشواری کے پہونچتی رہتی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ملک میں ہر شخص کو یہ کچھ اسی طرح اور انہی داموں پر میسر آ رہا ہو۔

یا مثلاً ہمارے ہاں کے شعبہ مالیات کے وزیر صاحب کو اس کا علم ہی نہیں ہو سکتا کہ اگر کسی عام آدمی نے حکومت کے خزانے سے کچھ لینا تو ایک طرف اس میں کچھ روپیہ داخل کرنا ہو تو اس کے لئے اسے کون کون سے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ اس میں کتنا وقت صرف ہوتا ہے۔ کتنی توانائی ضائع ہوتی ہے۔ اور کتنی منتیں اور خوشامدیں کرنی اور بسا اوقات ذلتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس لئے کہ ان کے اس قسم کے اپنے کام بغیر کسی دقت اور مشکل کے از خود ہوتے رہتے ہیں۔ اول تو ان کا ماتحت عملہ خود ہی سب کچھ کر دیتا ہے۔ اور اگر کہیں بہت بڑا بوجھل پتھر راستہ میں آ جائے۔ تو ان کا ایک ٹیلیفون اسے اپنی جگہ سے ہٹا دیتا ہے۔

یا مثلاً ہمارے لا منسٹر صاحب کو اس کا کیا عملی تجربہ ہو سکتا ہے کہ کچہریوں میں لوگوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے اور ایک شریف آدمی ان کی غلام گردش کی بھول بھلیوں میں کس بری طرح سے کھو جاتا ہے۔

یا مثلاً ہمارے وزیر امور داخلہ کو کس طرح پتہ چل سکتا ہے کہ ایک پر امن شہری کے ساتھ تھانہ میں کیا سلوک ہوتا ہے۔ اُس وقت نہیں جب وہ وہاں بہ حیثیت ملزم کے گیا ہو بلکہ اُس وقت بھی جب وہ مستغیث کی حیثیت سے فریاد لے کر پہنچا ہو۔

ہم نے ان چند شعبوں کو محض بطور مثال پیش کیا ہے ورنہ زندگی کے کسی گوشہ کو بھی لیجئے۔ اس سے متعلق "حاکم اعلیٰ" کو کبھی معلوم ہی نہیں ہونے پاتا کہ عوام کو کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اپنے کام بغیر کسی قسم کی دقت اور دشواری کے سرانجام پاتے چلے جاتے ہیں۔ عوام کی حالت سے باخبر رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ان حضرات کا عوام کے ساتھ ربط رہے۔ وہ اپنے آپ کو عوام میں کا ایک، اور عوام انہیں اپنے میں کا ایک سمجھیں۔ لیکن اس قسم کا ربط تو ایک طرف ان میں اور عوام میں اس قدر بُعد اور بیگانگی ہوتی ہے کہ عوام کی کوئی بات ان کے گوش مبارک تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ان میں سے جو صاحب کبھی اپنی مسند سے نیچے اترتے ہیں (یا اتار دیئے جاتے ہیں) تو انہیں اُس وقت کسی حد تک معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں زندگی کن دشواریوں سے گذر رہی ہے۔ لیکن وہ بجائے اس کے کہ اصلاح حال کی طرف توجہ دیں۔ وہ اس کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح وہ دوبارہ اسی قسم کی مسند اقتدار کسی طرح حاصل کر لیں۔ تاکہ ان کی ذاتی زندگی ان مشکلات سے محفوظ ہو جائے۔

ان حالات کو بچشم خویش دیکھنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے سنا کہ مصر کے گورنر نے اپنے مکان کے سامنے ڈیوڑھی بنوائی ہے۔ تو آپ نے یہ حکم کیوں بھیج دیا کہ اس ڈیوڑھی کو فوراً مسمار کر دیا جائے۔ ان کی نگاہِ دور بین خدا رنگ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتی تھی کہ ڈیوڑھی عوام اور ان کے نمائندے کے درمیان حاجب اور دربان بن کر حائل ہو جائیگی۔

یاد رکھیئے! جن لوگوں کے ہاتھوں میں عوام کی تقدیریں دی جائیں۔ جب تک وہ سمیع و بصیر و خبیر و علیم نہ ہوں۔ وہ اپنی ذمہ داریوں سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ وہ ہر شکایت کے جواب میں بس اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ لوگ نظم و نسق کی خرابیاں بیان کرنے میں خواہ مخواہ کا مبالغہ کرتے ہیں۔ ان سے کون کہے کہ

تو اے کبوتر بام حرم چہ می دانی
تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پا را؟

نیست ایں کار فقیہان اے پسر

تحریک پاکستان کے دوران میں عام طور پر دیکھا گیا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں خیال تھا کہ ہماری تمام کمزوریاں، نقائص، عیوب اور برائیاں انگریزوں کی غلامی کی وجہ سے ہیں۔ جونہی ہم نے آزادی حاصل کر لی۔ یہ تمام عیوب و نقائص خود بخود کم ہو جائیں گے۔ پاکستان بننے کے بعد جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ تمام برائیاں بدستور موجود ہیں۔ موجود ہی نہیں بلکہ

پہلے سے بھی زیادہ ہو چکی ہیں تو انھیں بڑا دھکا لگا۔ اور انھوں نے اس صورت حال کا ذمہ دار خود پاکستان کو قرار دے دیا۔ ہم اس وقت اس نکتہ سے بحث نہیں کرنا چاہتے کہ ہم میں یہ برائیاں کیوں پڑ گئیں۔ کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ تحریک پاکستان کے دوران میں لوگ اس غلط خیال میں مبتلا تھے کہ جونہی پاکستان بنا یہ تمام برائیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔

اب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ہے کہ یہ تمام برائیاں اور کمزوریاں اس وجہ سے ہیں کہ یہاں اسلامی دستور نہیں بن رہا۔ اُن کا یہ خیال ہے، یا انھیں اس خیال میں مبتلا کیا جا رہا ہے کہ مجلس دستور ساز نے جونہی اسلامی دستور پاس کیا، ہماری برائیاں اور کمزوریاں سب دور ہو جائیں گی اور ان کی جگہ ہم میں محاسن ہی محاسن پیدا ہو جائیں گے۔ یہ خیال بھی غلط ہے اور ہمیں خدشہ ہے کہ جس طرح پاکستان بننے کے بعد لوگوں کو یہ دھکا لگا تھا کہ اس سے ہماری کمزوریاں دور نہ ہو سکیں۔ اسی طرح دستور پاکستان کی تنفیذ کے بعد بھی اسی قسم کا ایک اور دھکا لگے گا۔ جب ہم دیکھیں گے کہ اس کے باوجود وہ برائیاں اور کمزوریاں اپنی جگہ پر بدستور موجود ہیں۔

برائیاں یا کمزوریاں آزادی مل جانے یا کسی قسم کا دستور بن جانے سے از خود دور نہیں ہوا کرتیں۔ برائیاں دور کرنے سے دور ہوا کرتی ہیں۔ صحیح قانون اس معاملہ میں صرف ممد و مددگار ہو سکتا ہے۔ اس وقت صورت حالات یہ ہے کہ ہم نے اپنے اوپر کسی قسم کا کوئی ڈسپلن ہی نہیں رکھا۔ اور جب زندگی کسی ڈسپلن کے ماتحت نہ ہو تو اس کا نتیجہ برائیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوا کرتا۔ ہمارے معاشرے کا ماڈرن طبقہ قدامت پرست طبقہ کو کوستا ہے کہ ان کے ہاں جمود و تعطل ہے۔ اور قدامت پرست طبقہ ماڈرن طبقہ پر چین بر جبین ہوتا ہے کہ یہ سب افرنگ زدہ ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان برائیوں اور کمزوریوں کی ذمہ داری نہ جدت پر عائد ہوتی ہے، نہ قدامت پر۔ اس کا اصل راز یہ ہے کہ ہمارے جدید اور قدیم دونوں طبقے زندگی کے ڈسپلن سے عاری ہیں۔ ان کے ہاں بعض رسوم و قواعد کی سطحی اور ظاہری پابندیاں ہوتی ہیں ماڈرن طبقہ کے ہاں انھیں اتیکیٹ کہا جاتا ہے اور قدامت پرست طبقہ اسے "آداب اور اخلاق" کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیتا ہے۔ لیکن قلب و نگاہ پر نہ ان کے ہاں کوئی ڈسپلن ہے نہ ان کے ہاں۔ یہ ڈسپلن خارج سے عائد شدہ پابندیوں سے نہیں پیدا ہوا کرتا۔ یہ دل کی گہرائیوں سے ابھرا کرتا ہے اس میں شبہ نہیں کہ انسانی قلب میں اس قسم کی تبدیلی پیدا کرنے میں، جس سے اس کے اندر سے ڈسپلن کا جذبہ ابھرے، معاشرہ کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ لیکن اس میں فرد کی اپنی کوشش اور عزم کا بھی کم حصہ نہیں ہوا کرتا۔ اس باب میں ہم پر بحیثیت افراد جس قدر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہم نے اسے یکسر فراموش کر رکھا ہے۔ اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو یا دوسروں کو فریب دے لیتے ہیں کہ اس کی واحد ذمہ داری ارباب حل و عقد پر ہے۔ جو ملک میں اسلامی دستور نافذ نہیں کرتے۔ ذمہ داری کو دوسری طرف منتقل کرنے کی بجائے ہمیں خود اپنا محاسبہ کرنا چاہئیے۔ اور یہ دیکھنا چاہئیے کہ اپنی اصلاح کے لئے جس قدر ہماری اپنی ذمہ داری ہے۔ ہم نے اسے کس حد تک پورا کیا ہے۔ دنیا میں جتنی قومیں ہم سے آگے ہیں ان کے حالات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ بیشتر ایسے امور ہیں جن میں ان کے افراد نے اپنے آپ پر از خود پابندیاں عاید کر رکھی ہیں۔ یاد رکھئے! انسانی ذات جب تک خود نگر نہیں ہوتی اس میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا ہماری کمزوریوں اور برائیوں کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم میں خود نگری نہیں رہی۔ ہم میں سے ہر شخص دوسرے کو دیکھتا ہے اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔ خارج سے عاید کردہ قیود کے پابند جمادات و نباتات و حیوانات ہیں۔ انسان کی سرفرازی کا راز اس میں ہے کہ وہ خود عاید کردہ حدود و قواعد کی کس قدر پابندی کرتا ہے۔ اس کے لئے کسی مجلس آئین ساز کے مرتب کردہ دستور کا انتظار فریب نفس ہے۔

اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

ایک عرصہ ہوا یہ خبر سننے میں آئی تھی کہ (سابقہ) حکومت پنجاب کا شعبۂ اسلامیات (ہم اس شعبہ کی تفصیل، فرائض اور کارگزاری سے واقف نہیں) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کو اردو میں منتقل کر رہا ہے۔ اب ان کی طرف سے شائع کردہ ایک بیان سے معلوم ہوا ہے کہ انسائیکلوپیڈیا کے قریب ۱/۳ حصہ کا ترجمہ ہو چکا ہے اور باقی کام پوری تندہی سے جاری ہے۔ ہم پہلے یہ سمجھے تھے کہ اس انسائیکلوپیڈیا کا صرف ترجمہ شائع کیا جائے گا لیکن اب مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ صرف ترجمہ کی اشاعت پر اکتفا نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اصل کتاب کے غلط مقامات کی تصحیح کی جائے گی۔ بعض مقالوں میں ردوبدل کیا جائے گا۔ اور بعض عنوانات پر از سر نو مقالات لکھوائے جائیں گے۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ہالینڈ کی ایک فرم کی شائع کردہ ہے۔ اسے مغربی مستشرقین نے مرتب کیا تھا اور کافی عرصہ ہوا یہ بیک وقت تین زبانوں میں شائع ہوئی۔ اب وہ فرم اس کا نیا ایڈیشن شائع کر رہی ہے۔ اور اس نے اعلان کیا ہے کہ یہ نیا ایڈیشن پہلے ایڈیشن پر ایک گہری اور بسیط نظر ثانی کے بعد شائع کیا جائے گا۔ مغربی مستشرقین کیسی ہی وسیع اور گہری نظر کیوں نہ رکھتے ہوں۔ اسلام کے مخصوص تصورات کے متعلق ان کی نگاہ کبھی قابل اعتماد ہو سکتی۔ اس کے علاوہ وہ اپنی تحقیقات کی بنیاد جن قدیم کتابوں پر رکھتے ہیں ان میں بیشتر ایسی ہیں جن پر کلیتہً اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ کی کتابیں تو ایک طرف، ہمارے ہاں کتب روایات تک کی یہ حالت ہے کہ ان میں ایسی ایسی روایات موجود ہیں جنھیں نبی اکرم صلعم یا صحابہ کبار کی طرف کبھی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ان حالات میں مستشرقین کے لکھے ہوئے مقالات جس حد تک صحیح اسلام کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اگر ہمارے ہاں مستشرقین کی مرتب کردہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا خالی ترجمہ شائع ہوتا تو ہم معترضین کے جواب میں کہہ سکتے تھے کہ یہ فلاں مستشرق کا خیال ہے۔ ہمارا نظریہ نہیں (اگرچہ کسی کے غلط خیال کا ہماری طرف سے شائع ہونا بھی کچھ کم غلط نہیں ہوتا) لیکن اب جب کہ ہم اس انسائیکلوپیڈیا کے محض ترجمہ پر اکتفا نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ اس میں کافی ردوبدل کے بعد گویا ایک اپنی تالیف کی حیثیت سے شائع کر رہے ہیں۔ تو اس سے ہماری ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ یہ کتاب ایک اسلامی ملک کے شعبہ اسلامیات کی طرف سے شائع کردہ تصنیف سمجھی جائے گی۔ اور لوگ ایسا خیال کرنے میں بالکل حق بجانب ہوں گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے۔ وہ اسلامی تعلیم اور مسلمانوں کی روایات کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اندریں حالات آپ خود ہی اندازہ لگائیے کہ یہ کام کتنی بڑی ذمہ داری کا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ کام کن حضرات کے تفویض کیا گیا ہے۔ لیکن اس نے جس گمنامی کی سی حالت میں اس وقت تک کا مرحلہ طے کیا ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی۔ ہم حکومت پاکستان کے ارباب متعلقہ سے گذارش کریں گے کہ وہ اس کام کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ لگائیں۔ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ ملک کے چیدہ چیدہ صاحبان فکر و نظر پر مشتمل ایک بورڈ متعین کرنا چاہئیے جو اس انسائیکلوپیڈیا کو تنقیدی نگاہ سے دیکھے۔ اور اپنے پورے اطمینان کے بعد اسے شائع کرے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہمیں خدشہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ حکومت کا اس قدر روپیہ ضائع جائے گا۔ بلکہ اس سے الٹا نقصان پہنچے گا۔

مسٹر ڈیسائی کا چیلنج

ہندوستان کے سفیر متعینہ پاکستان مسٹر ڈیسائی نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ جو مسلمان ہندوستان سے پاکستان آ گئے ہیں۔ ان میں سے ۵۰ فیصدی ایسے ہیں جو ہندوستان واپس جانے کے لئے بیتاب ہیں۔ اس بیان سے ان کا مقصد یہ کہنا تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے فضا ایسی سازگار ہے کہ پاکستان میں آ کر بس جانے کے بعد بھی ان کا جی ہندوستان واپس جانے کو چاہتا ہے۔ مسٹر ڈیسائی کے اس بیان کے خلاف مختلف گوشوں سے صدائے احتجاج بلند ہوئی ہے۔ لیکن کہنے کی بات کہیں سے نہیں کہی گئی۔ ہمارے خیال میں پاکستان کو مسٹر ڈیسائی کا یہ چیلنج قبول کر لینا چاہئیے۔ اور ان سے کہنا چاہئیے کہ وہ اپنی حکومت کو اس پر رضامند کر لیں کہ

(۱) پاکستان اور ہندوستان کے دروازے انتقال آبادی کے لئے کھول دیئے جائیں۔

(۲) جو لوگ اِدھر سے اُدھر جانا چاہیں۔ متعلقہ ممالک کی حکومت انھیں بحفاظت دوسرے ملک کے دروازے تک پہنچائے۔ اور ان کے اموال و املاک کے منتقل کئے جانے کا انتظام کرے۔

(۳) یہ عملِ انتقالِ آبادی، ایک متعینہ مدت تک کے لئے جاری رہے۔ اور اس کے بعد حساب کر لیا جائے کہ کس ملک سے زیادہ لوگ دوسرے ملک کی طرف گئے ہیں۔ جس ملک کی طرف زیادہ لوگ جائیں انہیں اس زیادتی کے مطابق دوسرے ملک سے رقبۂ زمین دیا جائے۔ جس پر یہ لوگ آباد ہو سکیں۔

حکومتوں کی سطح پر انتقالِ آبادی کا یہ طریق ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کی مشکلات کا موثر حل ثابت ہوگا اور دنیا یہ بھی دیکھ لے گی کہ مسلمانوں کے لئے ہندوستان کی فضا کس حد تک جاذبیت رکھتی ہے۔ ہم حکومت پاکستان سے پرزور درخواست کریں گے کہ مسٹر ڈلیا ئی کے اس "چیلنج" کا تعاقب کرے۔ اور ان سے کہے کہ وہ اپنی حکومت کو اس فیصلہ پر رضامند کرائیں۔ اس ضمن میں جو خط و کتابت ہو اسے منظرِ عام پر لایا جائے۔ تاکہ حقیقت دنیا کے سامنے آجائے۔

مغرب کے لئے کرنے کا کام

روسی لیڈروں نے گزشتہ ایام میں جو کچھ ہندوستان اور افغانستان میں کہا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لندن کا مشہور ہفتہ وار جریدہ اکنامسٹ اہلِ مغرب کو مشورہ دیتا ہے کہ

> ہمیں روسیوں کے اس پراپیگنڈے سے نہ غصہ میں آنا چاہیئے اور نہ پریشان ہونا یہ بات روسیوں کے منشا کے عین مطابق ہوگی۔ اگر ہم اہلِ مغرب ان کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر دو گروہوں میں بٹ جائیں اور اس بحث میں الجھ جائیں۔ جس میں ایک گروہ کہے کہ "ہمیں ایشیاء کی دوستی دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بڑی عجلت سے کام لینا چاہیئے" (یعنی انھیں زیادہ سے زیادہ امداد کی پیشکش کرنی چاہیئے۔ ایسے وقت میں امداد کی پیشکش جب وہ جانتے ہیں کہ اس امداد کا جذبۂ محرکہ دوستی نہیں بلکہ روس کی طرف سے خوف ہے) - اور دوسرا گروہ یہ کہے کہ "ان ناشکر گذار لوگوں کو امداد دے کر ہمیں اپنی دولت ضائع نہیں کرنی چاہیئے۔ جن کی حالت یہ ہے کہ وہ ہماری اس قدر امداد ہضم کر کے ہمارے ہی منہ پر تھوک دیتے ہیں!"

اکنامسٹ نے اپنی قوم کو یہ تو بتا دیا کہ انھیں یہ نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ انھیں کیا کرنا چاہیئے۔ اہلِ مغرب کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ جو ممالک ان کے حلیف بن چکے ہیں۔ ان کے مسائل کے حل کے لئے دودلی اور منافقت کی پالیسی کو چھوڑ کر جرأت اور دیانت داری سے کام لیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں سب سے بڑا مسئلہ "اسرائیل" کا ہے۔ جو تمام عالمِ اسلامی کے لئے خارِ چشم ہے۔ اور پاکستان کے سامنے اہم سوال کشمیر کا ہے جو حق و صداقت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اہلِ مغرب کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل کے حل کے لئے کھلے بندوں ان ممالک کا ساتھ دیں۔ یہی ایک صورت ہے جس سے وہ روس کے خطرے سے محفوظ رہ سکتے ہیں اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو دشمن تو ان کے دشمن ہیں ہی' ان کے دوست بھی دوست نہیں رہیں گے۔

کیا اہلِ مغرب ان حقائق کا سامنا کرنے کی جرأت کریں گے۔

زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند!

ایفائے عہد

اس عنوان کے تحت جماعت اسلامی کی طرف سے قدآدم پوسٹر سارے شہر میں چسپاں کئے گئے ہیں۔ ان میں اربابِ حل و عقد سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ سابقہ مجلس دستور سازی کی "اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ" میں کہا گیا تھا کہ پاکستان کا دستور کتاب و سنت کے مطابق ہوگا۔ اب تم اپنے اس عہد کو پورا کر دیجئے :-

(۱) دستور میں یہ لکھو کہ پاکستان کا آئین اور قانون کتاب و سنت کے مطابق ہوگا۔

(۲) ہم سے ہزار بار بھی پوچھو کہ سنت کسے کہتے ہیں اور وہ کس کتاب میں ملے گی۔ تو ہم کچھ نہیں بتائیں گے۔

(۳) اس دستور کے پاس ہو جانے کے بعد جب کوئی معاملہ بھی تمہارے سامنے آئے تو تمہیں معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ سنت کے مطابق ہے۔ اس کے لئے تمہیں ہماری طرف رجوع کرنا ہوگا ہم جس بات کے متعلق کہہ دیں گے کہ وہ مطابقِ سنت ہے اسے مطابقِ سنت ماننا ہوگا جس کے متعلق کہہ دیں گے کہ وہ خلافِ سنت ہے اسے خلافِ سنت تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۴) اس طرح تمہیں قانون سازی اور قانون کی تعبیر کے تمام اختیارات ہمارے ہاتھ میں دیدینے ہوں گے۔

یہ ہے اسلامی نظام کا مفہوم۔

کہو! تم اسلامی نظام سے متعلق اپنے عہد کو پورا کرتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں کرتے تو دیکھو ہم ملک کے سادہ لوح مسلمانوں کو کس طرح بھڑکا کر تمہارے خلاف کھڑا کر دیتے ہیں کہ یہ لوگ نظامِ شریعت کے خلاف ہیں۔ خدا اور رسول کے خلاف ہیں۔ افرنگ زدہ ہیں ملک میں لادینی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

مطالبۂ اسلامی نظام! زندہ باد!

خدا حافظ!

(۱) ہفتہ وار طلوعِ اسلام کا بحالتِ موجودہ یہ آخری شمارہ ہے۔ جنوری ۱۹۵۶ء میں ہفتہ وار کا کوئی شمارہ شائع نہیں ہوگا۔

(۲) ماہنامہ طلوعِ اسلام کا پہلا شمارہ آپ کے پاس شروع فروری ۱۹۵۶ء میں پہنچ جائے گا۔

(۳) ہفتہ وار کا بقیہ چندہ ماہنامہ کے چندہ میں محسوب ہوگا۔ اور تا اختتامِ رقم ماہنامہ بھیجا جاتا رہے گا۔

(۴) چندہ ختم ہونے کی اطلاع ہر خریدار کو بروقت دی جائے گی۔

(۵) ماہنامہ کا سالانہ چندہ آٹھ روپے ہے۔ کم مدت کے لئے بارہ آنہ فی پرچہ کے حساب سے قیمت لی جائے گی۔

(۶) چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں خریدار کو کفایت رہتی ہے۔

(۷) حساب کتاب میں پوری احتیاط برتی جاتی ہے لیکن اگر اس کے باوجود کسی صاحب کو اپنے حساب میں کوئی غلطی محسوس ہو تو اس کا ازالہ یا صفائی ایک کارڈ لکھ کر کرائی جا سکتی ہے۔

(۸) ہفتہ وار طلوعِ اسلام کو ایسے نامساعد حالات کی وجہ سے ماہنامہ میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ جن پر قابو پانا ہمارے بس کی بات نہ تھی۔ آپ کی ہم نوائی میں ہم بھی اس سے غالب کے الفاظ میں کہنا چاہتے ہیں کہ

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برد، صد ہزار بار بیا

ناظم
ادارہ طلوعِ اسلام کراچی

سلیم کے نام خطوط
از پرویز
قیمت چھ روپے

سالِ گذشتہ پر ایک نظر

اس پرچے پر ۳۱ر دسمبر کی تاریخ ثبت ہے۔ یہ ۱۹۵۵ء کا تین سو پینسٹھواں دن ہے۔ اس کے ساتھ پورا سال ختم ہو جائیگا آج پیچھے مڑ کر دیکھا جائے تو یقین نہیں آئے گا کہ اس سال کے تین سو چونسٹھ دن بیت چکے ہیں اور تھوڑی دیر میں یہ آخری دن بھی گذر جائے گا اور نئے سال کا آغاز ہو جائے گا۔ اسی سال پر کیا موقوف ہے؟ دیکھا جائے تو ساری زندگی ایک دن یا دن کا ایک حصہ نظر آئے گی اور اس کی ساری مہلت لمحے بھر سے زیادہ وسیع نہیں دکھائی دے گی لیکن از روئے زمان زندگی ایسی تنگ و محدود نہیں۔ انسان بے بصری اور کم ہمتی سے اس بحرِ بے کراں کو جوئے کم آب سمجھ لیتا ہے اور اس کی موجوں میں سامانِ کشود و تلاش کرنے کی بجائے ہاتھ پاؤں توڑ کر ساحل کی مُردہ ریت میں آسودگی کا طلبگار ہوتا ہے۔ وقت اور زندگی کے یہ پیمانے حقیقی نہیں کیونکہ اس طرح جس امروز سے واسطہ پڑتا ہے اس میں نہ دوش کی تصویر جھلکتی ہے نہ فردا کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ وقت گذرتا جاتا ہے ہر کل کی آغوش سے آج اُبھرتا ہے اور وہ دوسرے کل کو جنم دیتا ہے۔ دراصل یہ وقت کے گزرنے پر امتیاز کی گرہیں بغرضِ سہولت لگائی گئی ہیں۔ ورنہ زمان کی ایک روح ہے جس میں نہ کل ہے نہ آج۔ اگر آج کے ہنگاموں سے دوچار ہوتے ہوئے ماضی کو نظر انداز اور مستقبل کو فراموش کر دیا جائے تو یہ سہولت بے معنی ہو جاتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ قطع کردہ مسافت کا جائزہ وقتاً فوقتاً لے لیا جائے تاکہ سفر میں تسلسل بھی رہے اور اس میں آسانی بھی پیدا ہو۔ آئیے نئے سال میں داخل ہونے سے پہلے آج گزرتے ہوئے سال پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں اور اس طرح اپنے عمل کا محاسبہ کریں۔

۱۹۵۵ء کا آغاز ہوا تو ہم ایک عجیب دور سے گزر رہے تھے اس سے پیشتر کے سات سالوں میں ہم جن اعمال کے مرتکب ہوئے تھے وہ ہمیں تباہی کے دہانے تک لے آئے تھے۔ ان سالوں میں رفتہ رفتہ ان تمام مقاصد کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا جو قیامِ پاکستان کے محرک ہوئے تھے اور سیاست ذاتی مناصب کے حصول کا ذریعہ بن کے رہ گئی تھی۔ پاکستان کو اسلامی اصولوں کی تجربہ گاہ بنانے والے آپس میں دست و گریبان تھے۔ اور اسلامی آئین کی تسوید تو ایک طرف انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اسلام کے وہ اصول کون سے ہیں جن پر آئین کی عمارت استوار کی جا سکتی ہے اسلام جیسی وجہ جامعیت سے محروم ہونا تھا کہ قوم بنگالی، سندھی، افغانی، پنجابی، "قومیتوں" میں بٹ گئی۔ سابقہ مجلس دستور ساز اکھاڑا تھی تمام قوائے تخریب کا۔ یہ مجلس، پاکستان کے محضرِ قتل پر دستخط ثبت کرنے کو تھی ہی کہ روحِ پاکستان نے سنبھالا لیا اور سابق گورنر جنرل، محترم غلام محمد صاحب نے بڑی جرأت سے

بیک جنبشِ قلم اسے داستانِ ماضی بنا دیا۔ اس سنگِ راہ کا ہٹنا تھا کہ جمود سفر عود کر آئی اور منزل اور اس کا راستہ صاف دکھائی دینے لگا۔ ہر طرف اتحاد کے چرچے ہونے لگے اور مغربی پاکستان کے صوبوں اور ریاستوں کو ختم کر کے صوبائی افتراق کے تخمِ خبیث کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے برباد کر دینے کی عملی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ لیکن وحدت کا منصوبہ تیار ہو ہی رہا تھا کہ شکست خوردہ عناصر آگے اور انہوں نے ایک اور وار کیا۔ انہوں نے معاملہ عدالت میں لے جا کر تمام کام معطل کرا دیا۔ یہ سلسلہ مہینوں چلتا رہا اور امید و رجا کا بڑا صبر آزما دورِ نظاری رہا۔ یہ چند مہینے نہایت جاں گسل تھے "قانون کے احترام" کے نام پر جو کچھ کیا گیا اس سے ملک اور قوم کا احترام خاک میں مل گیا۔ بعض لمحے ایسے بھی آئے کہ بحالی کی تمام امیدیں موہوم دکھائی دینے لگیں۔ بہر حال ملک کی اعلیٰ عدالت نے بالآخر یہ فیصلہ دیا کہ محترم غلام محمد کا اقدام از روئے آئین صحیح تھا۔ عدالت نے یہ مشورہ بھی دیا کہ برطرف دستور یہ کی بجائے ایک نئی دستور یہ مرتب کی جائے۔

یہ مشورہ نہ دیا جاتا تو کام کا پروگرام یہ تھا کہ وحدتِ مغرب کا منصوبہ اور آئین کا خاکہ تیار کر لیا جائے اور ایک کنونشن سے منظور کرا کے انہیں نافذ العمل کرا دیا جائے۔ پھر سال ڈیڑھ سال کے بعد نئے انتخابات کرائے جائیں۔ لیکن اس مشورے سے صورتِ حال بدل گئی کیونکہ نئے سرے سے ایک اور دستور یہ مرتب کرنا ضروری تھی۔ اس سے ان قوتوں کو اُبھرنے کا موقع مل گیا جنہیں جناب غلام محمد نے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا تھا۔ اس سے پھر ایک روح فرسا کشمکشِ اقتدار شروع ہو گئی۔ ایسے نظر آتا تھا کہ ہر ایک کی کوشش یہ ہو گئی کہ وہ مجلس دستور ساز میں پہنچے اور اس راستے سے فائزِ اقتدار ہو۔ مجلس دستور ساز مرتب ہوئی تو اعلان کے مطابق اسے مری میں مجتمع ہونا تھا تاکہ عام ہنگاموں سے دور رہ کر وہ کمال یکسوئی سے اپنے فرائض مفوضہ سرانجام دے سکے۔ اس کے ذمے تین ضروری کام تھے۔ (۱) ان قوانین کی توثیق جو گورنر جنرل کی منظوری نہ ملنے کی وجہ سے عدالت کے فیصلے کے مطابق نافذ العمل نہیں رہے تھے۔ (۲) وحدتِ مغرب کے منصوبہ کی منظوری۔ اور (۳) مسودہ آئین کی تیاری۔ عام خیال یہی تھا کہ یہ تینوں امور کم سے کم وقت میں نپٹا دیئے جائیں تو نئے انتخابات کی تیاری جلد از جلد ہو سکے گی اور ان کے بعد نئے آئین کا نفاذ وقت طلب معاملہ نہیں رہے گا۔ لیکن جب نئی مجلس کا اجلاس مری میں شروع ہوا تو جو دو امور ان امورِ مہمہ پر سبقت لے گئے ان میں ایک یہ تھا کہ مقامِ اجلاس مری کی بجائے کراچی ہو اور دوسرا یہ کہ مجلس کی ترکیب کے مطابق مرکزی حکومت کی تشکیل کی جائے۔ ان سے متعلق اس قدر ہنگامہ برپا ہوا کہ مقصدِ اصلی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بالآخر مجلس کو منتقل کر کے کراچی میں لایا گیا۔ کراچی میں بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اب مجلس اپنے فرائض کی بجا آوری میں منہمک ہو جائے گی لیکن نہیں۔ یہاں پہنچ کر توجہات کا واحد مرکز تشکیلِ حکومت بن گیا۔ خدا خدا کر کے یہ مہم بھی سر ہوئی اور مجلس نے وحدتِ مغرب کے مسودہ قانون پر بحث شروع کی۔ جیسا کہ بحث کے دوران میں معلوم ہوا کسی ایک رکن نے بھی اصولِ وحدت کو محلِ نظر نہیں ٹھیرایا اور سب نے اس کی تائید کی۔ اس کے باوجود کم و بیش ڈیڑھ مہینے اس مسودے پر بحث ہوتی رہی۔ دراں حالیکہ مسودہ حزبِ مخالف کے قائد کا تیار کیا ہوا تھا انہوں نے بھی اور ان کے پیروؤں نے بھی خوب دل کھول کر اس کی مخالفت کی۔ یہ طوفان بھی آخر کار تھما اور مسودہ وحدت منظور ہو گیا۔

اس کے بعد قوانین کی توثیق کا مرحلہ سامنے آ گیا۔ یہ ایک رسمی سی کارروائی تھی کیونکہ تمام قوانین نافذ العمل رہ چکے تھے اور اب ان میں صرف یہ اصطلاحی سقم پیدا ہو گیا تھا کہ عدالت کے فیصلے کے مطابق ان پر گورنر جنرل کے دستخط ہونے چاہئیں تھے لیکن یہ مرحلہ بھی کم طوفان انگیز ثابت نہ ہوا۔ یہ بہر حال غنیمت ہوا کہ خرابیٔ بسیار کے بعد ہی سہی یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا۔ اس کے بعد آئین کا مرحلہ سامنے آیا۔ ہر چند متعدد مرتبہ اربابِ ذمہ دار نے یہ کہا تھا کہ دو تین ماہ کے اندر آئین مکمل ہونے کی توقع ہے ابھی تک ایسا نہیں ہو سکا۔ یہ معاملہ حکومت کی مخلوط پارٹی کے زیرِ غور ہے اور چونکہ وہ کسی فیصلے پر پہنچ نہیں سکی اس لئے مجلس دستور ساز کے اجلاس ملتوی ہوتے جا رہے ہیں۔ دیکھا جائے

آپ رشک کرتے ہیں!

کسی مضبوط اور متناسب جسم کو دیکھ کر۔ کیونکہ آپ لاغر ہیں یا بیمار، یا پھر دسی صحت کے اسباب ڈھونڈ نہیں پاتے۔ آئیے ہم آپ کی مشکل حل کریں۔ کیا آپ اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی غذا نظامِ جسمانی کی کلی ضروریات کو پورا کر رہی ہے؟ کیا آپ کو حیاتین ٹھیک طور پر مہیا ہو رہے ہیں؟ یقیناً کوئی تشفی بخش جواب آپ کے پاس نہیں۔

وِم وائٹ (۲۹ ضروری حیاتین کا مرکب)

ایک گرانقدر طبی تحفہ، ایک حیرت انگیز سائنسی تجربہ آپ کی مشکل کا حل ہے۔ جسے استعمال سے آپ تیزی سے ایک توانا اور قابلِ رشک صحت تعمیر کر سکیں گے۔ وِم وائٹ آپ کی صحت کا ضامن۔ امریکہ میں بنا ہوا ہر دوا فروش سے ملتا ہے۔

تو وحدت مغرب کے بعد آئین کا مسئلہ بڑا واضح ہو جاتا ہے۔ جس پس منظر میں یہ فیصلہ کیا گیا اس سے ایک ہی خاکہ ابھر سکتا ہے اور وہ یہ کہ مشرق اور مغرب میں دو صوبے ہوں اور ان میں رابطہ مرکز سے ہو جو اتنا مضبوط اور مؤثر ہو کہ پاکستان کی وحدت اور سالمیت کو برقرار رکھ سکے۔ لیکن یہاں اس خاکے میں رنگ بھرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اندر اندر کیا ہو رہا ہے لیکن تازہ ترین اخباری اطلاعات سے پتہ چلتا ہے کہ مخلوط پارٹی متفقہ فارمولا تیار کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے اور یہ فارمولا جنوری کے شروع میں مجلس دستور ساز میں غور و خوض کے لئے پیش کر دیا جائے گا۔ آئین کے سلسلہ میں اب تک جو کچھ ہوا یا نہیں ہوا اس سے دو امور ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ پہلی دشواری اس کے اسلامی ہونے سے متعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلامی آئین بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے ان اصولوں کو سمجھ لیا جائے جو اس کی اساس بنیں گے لیکن گذشتہ آٹھ سال میں نام نہاد واضعین نے اس سلسلہ میں کوئی کاوش نہیں کی۔ وہ بنیادی طور پر اسلام کا اجارہ دار مُلّا کو سمجھتے ہیں۔ لیکن مُلّا جو اصول پیش کرتا ہے انہیں وہ قبول نہیں کر سکتے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ اسلامی ہیں یا نہیں بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر کسی معقول آئین کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اس کے بعد وہ فکر کی طرف رجوع کرتے جس کی طرح اقبالؔ نے ڈالی تھی۔ اقبالؔ نے پاکستان کا تصور بھی دیا اور ان اصولوں کی بھی تعیین کی جن پر نظام معاشرت کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اس مکتب فکر کی طرف سے اسلامی نظام اور آئین پاکستان کا واضح نقشہ تیار کر کے ان تک پہنچا دیا گیا۔ لیکن مُلّا کے نقار خانے میں اس آواز کو کون سنتا؟ یہ عجیب تضاد ہے کہ وہ مُلّا کی بات کو نا قابل عمل سمجھتے ہیں لیکن اس سے اس قدر مرعوب ہیں کہ لب کشائی تک کی جرأت نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے ان حالات میں اسلامی آئین کی تسوید کا سوال خارج از بحث ہے۔ لیکن ڈر یہی ہے کہ جو آئین بنایا جائے گا اس میں "قرآن و سنت" کا نام شامل کر کے اسے "اسلامی" کہہ دیا جائے گا اور اس طرح امت کے لئے ایک نئے فتنہ کا باب کھول دیا جائے گا۔ یہاں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ "طلوع اسلام" میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔

آئین کے سلسلہ میں دوسری دشواری "سیاسی" ہے اسے سیاسی بطور تکلف کہا گیا ہے ورنہ یہ سراسر ذاتی ہے چند افراد مناصب و اقتدار کے لئے پاپڑ کوٹ رہے ہیں اور علاقائی اور صوبائی امور کو قومی سطح پر لا کر "عمر خود دراز کنم" میں کوشاں اس کشمکش اقتدار کا یہ پہلو البتہ خوش کن ہے کہ اس سے وحدت مغرب کا تصور ابھر آیا۔ بقول اقبالؔ

گہے باشد کہ کارِ ناخدائی می کند طوفاں

کہ از طغیانِ موجے کشتیم بر ساحل افتادست

اس وحدت نے سیاست کو نیا رنگ دے دیا ہے اور اب شخصی مفادات "مشرق" و "مغرب" کا روپ دھار کر سامنے آ گئے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے آئین کی جزئیات اس پس منظر میں طے ہوں گی، اور وہ کسی اصول کی شرمندۂ احسان نہیں ہوں گی بلکہ ذاتی سودے بازی کا نمونہ ہوں گی۔ بہر حال یہ غنیمت ہے کہ وحدت مغرب نے سیاست میں توازن کی ایسی صورت پیدا کر دی ہے کہ اب اسے درہم برہم کرنا آسان نہیں رہا۔ البتہ مرکز کی حیثیت کا معاملہ قابل غور ہے اور اس پر ہمارے مستقبل کا دار و مدار ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ مرکز کو بہر نوع مؤثر ہونا چاہیئے اس کی تحویل میں اتنے اختیارات ہونے چاہئیں کہ وہ پاکستان کی وحدت اور سالمیت کا ضامن ہو سکے۔ اس کا پیمانہ اس کا دائرۂ اختیار ہو گا نہ کہ محکموں کی تعداد۔

پاکستان اس سال کے دوران میں ایک عجیب منزل میں آ پہنچا ہے۔ اور دیکھا جائے تو اسے یہاں تک زود یا بدیر آنا ہی تھا۔ جب سے مسلمان اس برصغیر میں آئے ہیں اس وقت سے ہندومت اور اسلام میں ایک کشمکش جاری ہے۔ اسلام سے پیشتر جو قومیں یہاں آئیں وہ اس سمندر میں ایسی ڈوبیں کہ ان کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ مسلمانوں کو بھی اسطرح ہضم کرنے کی کوشش کی گئی، اور گو ان کے لئے بڑے نازک وقت آئے وہ بچ کے نکل آتے رہے۔ کم و بیش ایک ہزار سال تک حکمرانی کرنے کے بعد مسلمان ہندوؤں کے ساتھ ایک تیسری طاقت کے غلام بن گئے اور جب ان کا دور غلامی ختم ہوا تو وہ مشرق اور شمال مغرب میں ایک مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر مملکت کا قیام اسلام کے مزاج کے عین مطابق تھا تو اسے ہڑپ کرنے کے لئے پیچ و تاب کھانا ہندو کی سرشت میں داخل ہے۔ مگر اب اسلام اور ہندومت کا مقابلہ پاکستان اور ہندوستان کا مقابلہ بن گیا ہے۔ ہندوستان روز اوّل سے ہی پاکستان کی تخریب کے درپے ہے۔ اسے وہ اپنی شکست کی نشانی سمجھتا ہے جسے وہ حرف غلط کی طرح محو کر دینا چاہتا ہے اس سے بڑی شکست اور کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمان ایک مملکت کے مالک بن گئے۔

ہندوستان نے پاکستان پر تمام راہیں مسدود کر دینے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ جو وہ کوشش اس سلسلہ

اسپین کی شہزادی
مصنفہ صادق سردھنوی

مسلمانوں کے عروج و عظمت کی شاندار داستان۔ ان کی عجیب و غریب اور حیرت انگیز ایجادات — فلسفہ — ریاضی — نجوم اور دیگر فنون لطیفہ میں ان کی زبردست مہارت — عیسائیوں کی بہیمیت اور چیرہ دستی اور غازیانِ اسلام کے ولولہ انگیز کارنامے جنہیں مصنف نے رومان کی آمیزش سے ناول کے دل کش اسلوب میں بیان کیا ہے۔ قیمت مجلد مع دیدہ زیب سرورق۔ قیمت چار روپے آٹھ آنے

نورُ الدین زنگی
مصنفہ صادق سردھنوی

بہادر باپ عماد الدین زنگی کے دلیر اور شجاع فرزند نور الدین زنگی کے ولولہ انگیز کارنامے۔ ایک طرف یورپ اور ایشیا کے تمام عیسائی حکمرانوں کا ٹڈی دل لشکر اور دوسری طرف ایک اکیلا نور الدین زنگی جو خدا کی وحدانیت اور اس کی عظمت کا سکہ بٹھانے کا عزم کئے تھا — اور آخر خونریز جنگ کے بعد حق، باطل پر غالب آ گیا — شجاعت، صداقت اور اسلام کی صحیح اسپرٹ پر ایک بہترین کتاب جسے ناول کے اسلوب نے ایک دل کش چیز بنا دیا ہے۔ قیمت مجلد مع رنگین گرد پوش۔ چار روپے آٹھ آنے۔

عنبر عشق
مصنفہ خان محبوب طرزی

قدیم مصر کی ایک تاریخی داستان جب محلوں کی اونچی اونچی سنگلاخ دیواروں کے پیچھے انسانیت کے عجیب عجیب کھیل کھیلے جاتے تھے — اور ان کھیلوں میں دنیاوی رشتوں اور قرابتوں کی کوئی قید نہ ہوتی — جب انسانی مطمح نظر صرف عیش کوشی تھا لیکن اس عیش کوشی کا اختتام کتنا عبرت انگیز پہلوئے ہوئے ہے — یہی ایک چیز ہے جس نے ناول کو ایک شاہکاری حیثیت دیدی ہے۔ مضبوط جلد اور حسین گرد پوش کے ساتھ۔ قیمت صرف دو روپے

جنسی جرائم
از — اقبال دشکیب

موجودہ دور میں جنسی بے راہروی جتنی زیادہ عام ہو چکی ہے وہ ہمارے معاشرے اور تہذیب پر ایک کلنک کا ٹیکہ ہے — فاضل مصنف نے اس کتاب میں ان پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جو ان جرائم کے محرک ہوتے ہیں — اپنے طرز کی ایک انوکھی اور واحد کتاب قیمت مجلد مع رنگین گرد پوش۔ دو روپے آٹھ آنے۔

● یہ اور ان کے علاوہ اپنے ذوق کی ہر کتاب ہم سے طلب فرمائیں۔

اب ہمارا شوروم مقابل میونسپل کارپوریشن سے تبدیل ہو کر مقابل مولوی مسافر خانہ آ گیا ہے — لہذا اب اس پتہ پر خط و کتابت کیجئے۔ یا بنفس نفیس تشریف لائیے۔

سلطان حسین اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب مقابل مولوی مسافر خانہ — بندر روڈ — کراچی

میں کرتا چلا آیا ہے اس کے نتائج اب مرتب ہو رہے ہیں۔ اس نے کشمیر پر قبضہ کر کے پاکستان کو محصور کرنے کے لئے اہم قدم اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے افغانستان میں قدم جمائے اور عالم اسلامی میں پاکستان کے خلاف جذبات ابھارنا شروع کئے تاکہ پاکستان مسلمان ممالک سے روابط استوار نہ کر سکے اور نہ خود مضبوط ہو سکے نہ ان کو مضبوط بنانے کا باعث بن سکے۔ گو ہندوستان کے نقشے کو پوری طرح بھانپا نہیں گیا تاہم رفتہ رفتہ پاکستان کی خارجی سیاست کے بھی خدوخال نکھرنے شروع ہو گئے اور اس کا رجحان ممالک اسلامیہ اور اقوام مغرب بالخصوص امریکہ کی طرف ہو گیا اس سے استحکام کی ایک عمدہ شکل پیدا ہو گئی۔ معاہدہ بغداد میں اس وقت چار مسلمان ملک شامل ہیں۔ یہ پاکستان، ایران، ترکی اور عراق ہیں۔ کوشش ہو رہی ہے کہ اردن کو بھی قائل کر کے اس میں شریک کر لیا جائے گو اب ایک تعطل سا پیدا ہو گیا ہے۔ اس معاہدہ کو مترتب ہوتے دیکھ کر خاص طور پر کوشش کی گئی کہ مصر اس کے خلاف محاذ قائم کرے۔ مصر نے اس کی مخالفت میں کوئی کمی نہیں کی لیکن اسے کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ وہ اس کے مقابلے میں اپنی تنظیم قائم کرنا چاہتا تھا مگر اس کی کوئی مناسب صورت پیدا نہیں ہوئی۔ اب اس کشمکش میں ایک نئے اور خطرناک ترین عنصر کا اضافہ ہو گیا ہے۔ مصر نے اقوام مغرب سے مطلوبہ مقدار میں اسلحہ حاصل نہ کر سکنے کی صورت میں روس سے اسلحہ خریدنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ اس اعتبار سے تو صحیح تھا کہ مصر کو اسلحہ غیر اشتراکی ذرائع سے نہیں میسر آ سکے تھے لیکن مصر نے یہ نہیں سوچا کہ روس کے لئے دروازہ کھول کر وہ اپنے لئے اور ممالک اسلامیہ کے لئے کتنا عظیم خطرہ پیدا کر رہا ہے۔ روس نے یہ موقع غنیمت جانا۔ وہ مشرق وسطے کے اہم علاقے میں آنے کا جو خواب دیکھتا چلا آ رہا تھا وہ اب متشکل ہو رہا تھا۔ اس طرح ہندوستان اور روس حلیف بن گئے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہندوستان نے جو فصل بوئی اسے روس ہی کاٹے گا۔ روس کا عالم اسلامی میں آموجود ہونا ایک سیاسی حیلہ ہی نہیں بلکہ تصوراتی چال بھی ہے۔ جیسے ہندوستان اصلاً پاکستان کے خلاف ہے اسی طرح روس پاکستان کا حریف ہے۔ روس اور پاکستان دو ایسے نظام ہائے معاشرت کے نام لیوا ہیں جن میں مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا پاکستان کے خلاف روس اور ہندوستان کا گٹھ جوڑ بالکل قدرتی ہے۔

بہرکیف اب مشرق وسطیٰ عالمی سیاست میں ایک اعلیٰ درجہ کا مسئلہ بن گئی ہے۔ گو مقابلہ بظاہر روس اور امریکہ میں ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے ایک تیسری طاقت اُبھر سکتی ہے۔ یہ طاقت اسلام کی ہے۔ انشاءاللہ یہ اُبھرے گی ضرور لیکن اس کا اُبھار بڑا صبر طلب نظر آتا ہے۔ بدقسمتی سے مصر اور سعودی عرب نے دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیا ہے۔ اگر یہ ممالک اپنی قسمت مسلمانوں سے وابستہ کرتے تو آج غیر مسلموں کو ہمارے معاملات میں اس قدر دخیل ہونے کی گنجائش نہ میسر آتی۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ممالک مسلمہ اتحاد باہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک مشترک ادارہ قائم کرتے اور یہ ادارہ مرکزی طور پر روس اور امریکہ دونوں سے معاملہ طے کرتے جیسا کہ کئی بار لکھا جا چکا ہے، ممالک اسلامیہ کی ضرورت دوگونہ ہے۔ ایک عسکری ضرورت ہے دوسری معاشی۔ دونوں کی تسکین کی صورت یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک سے استمداد کی جائے۔ یہ امداد مالی بھی ہو اور فنی بھی۔ بحالات موجودہ اس قسم کی مدد امریکہ سے مل سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ امریکہ ایسی مدد دے کر روس کے خلاف ہم سے مدد مانگے گا۔ لیکن یہ سودا کیا جا سکتا ہے کیونکہ نہ مسلمان اشتراکیت کے حلیف ہو سکتے ہیں نہ اشتراکیت ان کی بہی خواہ ہو سکتی ہے اس آنے والے معرکہ کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے جو دوست بن سکیں انہیں دوست بنایا جائے اور ان سے پوری پوری مدد لے کر اپنے آپ کو مستحکم کیا جائے۔ چونکہ مصر اور سعودی عرب اس قسم کے اتحاد کے قائل نظر نہیں آتے اور انہوں نے ہندوستان کی وساطت سے روس سے ناطہ جوڑنا شروع کر دیا ہے اس لئے معاہدہ بغداد کا کام خاص مشکل ہو گیا ہے۔ لیکن کام ہے بہرحال کرنے کا کیونکہ عالم اسلامی کی قسمت اتحاد باہمی سے وابستہ ہے۔

ہندوستان پاکستان کو محصور کرنے اور عالمی سیاست میں مسلمانوں کو بے اثر اور اپنا حلقہ بگوش بنانے کے ارادے سے روس سے سازباز تو کر لی ہے لیکن اس کے نتائج خود ہندوستان کے حق میں اچھے نہیں نکلیں گے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کی ان حرکات سے پاکستان میں خود حفاظتی اور اس سے علیحدگی کے جذبات اُبھرتے آ رہے ہیں۔ پاکستان نے اب تک ہندوستان سے دشمنی کرنے کی بجائے دوستی کی فضا پیدا کرنے کی ہی کوشش کی ہے لیکن ہندوستان نے اسے پاکستان کی کمزوری پر محمول کرتے ہوئے اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ اس نے آٹھ سال تک کشمیر کے بارے میں مفاہمت کا ثبوت نہیں دیا۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ بہ لطائف وحیل کشمیر کو ہضم کر سکتا ہے۔ اب اس نے روسی قائدین کو سرینگر میں کھڑے کر کے یہ اعلان کرایا ہے کہ کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے۔ یہ اعلانات بجائے خود، لیکن قوموں کی قسمتیں ان کے زندوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔ کوئی بڑی سے بڑی قوم بھی کسی دوسری قوم کو عام اس سے کہ وہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو، تا ابد غلام نہیں بنا سکتی۔ ہندوستان بے چارے کی تو بساط ہی کیا ہے لہذا کشمیر کا مسئلہ ان اعلانات سے ختم نہیں ہو سکتا۔ اس کا البتہ یہ اثر ضرور ہو رہا ہے کہ ہندوستان پاکستان کی دشمنی خرید رہا ہے۔ ہندوستان ہماری دشمنی خرید کر اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتا خواہ اس کی پشت پر روس ہی کیوں نہ ہو۔ پنڈت نہرو کی یہ غلط فہمی عالمی قوت میں نقش بر آب ثابت ہو گی۔ تاریخ کے جھکڑ کئی نہرو اڑا کر لے گئے۔ وہ بھی کوئی دم کے مہمان ہیں۔ پنڈت جی فانی ہیں اور ایک دن دنیا سے سفر کر جائیں گے۔ ان کے بعد کیا ہو گا؟

ہندوستان کے لئے تو یہ سوال اہم ہے ہی اپاکستان

اور دیگر دنیا کو بھی اس کا پوری دلچسپی سے مطالعہ کرنا ہوگا۔ آزاد ہو کر ہندو دھرم کے لئے ایک عجیب مسئلہ پیدا ہوگیا ہے۔ اس کی چھوت چھات پر مبنی معاشرت کے لئے یہ کڑی آزمائش ہے اس کا عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں کوئی لچک نہیں۔ ہزارہا سال سے وہ نفرت اور حقارت کی بنیادوں پر استوار چلی آرہی ہے۔ ان بنیادوں سے پیچھا چھڑانا اس کے بس کی بات نہیں۔ سیاست میں اس تخم خبیث کا نتیجہ استعماریت ہوگی۔ پنڈت نہرو اس استعماریت کے مظہر ہیں اور وہ اپنی شخصیت کے زور پر روس سے ساز باز کرکے ایک حد تک اپنے لئے راستہ صاف کر رہے ہیں اور ایک حد تک اشتراکیت کے مقابلہ سے بچ رہے ہیں۔ لیکن جس طرح وہ اشتراکیت سے محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہیں اس کے پیش نظر وہ اس کے حریف نہیں ہوسکیں گے۔ مارشل بلگانن اور مسٹر کروشیف نے ہندوستان کا دورہ کرکے اور ہندوستان کی ہم نوائی کرکے ہندوستان کی زمین میں ایسا بیج بو دیا ہے جو برگ و بار لاکر رہیگا۔ پنڈت نہرو اس کی شاید بہار نہ دیکھ سکیں۔ لیکن ہندوستان کو یہ پھل چکھنا ہی ہوگا۔ گویا ہندوستان ہندومت اور اشتراکیت کی آماجگاہ بنتا جارہا ہے۔ پنڈت نہرو کی شخصیت نے ہندومت کے گھناؤنے پن کو دبا رکھا ہے۔ لیکن اس سے اشتراکیت کو فروغ مل رہا ہے۔ وہ نہیں ہوں گے تو ہندویت ابھرے گی۔ وہ منظر قابل دید اور لائق عبرت ہوگا۔ اس وقت ہندوستان کی "عظمت" کا بھرم کھل جائے گا۔ یہ دیکھنا ہے کہ ہندو سوسائٹی اشتراکیت قبول کرے گی یا نہیں بظاہر یہ آسان نہیں ہوگا کیونکہ اس کے جراثیم بڑے مزمن ہیں۔ لیکن ہندویت ابھری تو قرون مظلمہ کی ایک بربریت قسم کی حکومت قائم ہو جائے گی جو دنیا بھر کے لئے خطرہ ہوگی۔ کیونکہ انسانیت ان نظریات سے کہیں آگے آچکی ہے جو اس کی نیم وحشیانہ دور کی پیداوار ہیں اور اگر اشتراکیت نے اس زمین سے سر اٹھایا تو بھی ہمسایوں کے لئے بڑا خطرہ درپیش ہوگا۔ گویا ہندوستان ایک (PROBLEM) ملک ہے لیکن قبل اس سے کہ یہ اس قسم کی لعنت بن جائے اس کا کچھ تدارک سوچنا چاہئے شاید اس کی ذمہ داری بھی بالآخر پاکستان پر آکر پڑے کیونکہ امریکہ

اپنے مصالح کے پیش نظر اس کا تدارک کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے نزدیک مفاد عاجلہ زیادہ اہم ہے۔ فی الحال ہندوستان میں اس کا قدم بڑھ رہا ہے اور اس کے لئے یہ ٹھیک ہے۔ امریکہ بھی ان تقاضوں سے بے خبر ہے۔ وہ اس ادھیڑبن میں مبتلا ہے کہ روس کے قدم کسی طرح جم نہ سکیں۔ اس کے لئے وہ ہندوستان کو معاشی امداد دے رہا ہے۔ اس میں بھی دورہینی ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ امریکہ کے ڈالر بھی اشتراکیت کا زینہ ثابت ہو رہے ہیں۔ امریکہ کو اس احمقانہ پالیسی کو ترک کرنا ہوگا۔ اور پاکستان کو اسے اس کا قائل کرانا ہوگا کہ اس کی پالیسی غلط نتائج کی حامل ہے۔ زمانے کے حالات کے تقاضے عجیب ہیں۔ پاکستان کی ذمہ داریوں میں چند در چند اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس کے کردار کی اہمیت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ کارکنان قضا و قدر راستے ہموار کر کے ایک عجیب مقام تک پہنچا رہے ہیں۔ کیا پاکستان اس کا اہل ثابت ہوگا؟ اس کی قیادت کو اس کا جواب دینا ہوگا! قیادت سے مراد بالائے سطح حباب نہیں بلکہ وہ تیز و تند موجیں ہیں جو زیر سطح پرورش پا رہی ہیں۔

دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا؟

بہرحال یہ سال یوں ختم ہو رہا ہے۔ خدا کرے کہ آنے والا سال ہمارے لئے ان خوش خبریوں کا پیغام لائے کہ ہم پاکستان کو قرآنی نظام کی تجربہ گاہ بنا کر انسانیت کے سامنے امن و فلاح کی راہیں کھول سکیں۔ اور "زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است

تفسیر بیان القرآن

قرآن پاک کا متن مع اردو ترجمہ بین السطور از حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

حاشیہ پر

تفسیر بیان القرآن و مسائل السلوک!

عکسی بلاکوں کے ساتھ بارہ جلدوں میں چھپ جائیگی

چھ جلدیں تیار ہوگئی ہیں

نمونہ کے صفحے مفت طلب فرمائیے۔

تاج کمپنی لمیٹڈ۔ پوسٹ بکس ۳۵۰ کراچی

مطبوعات طلوع اسلام کی

شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت ـــــــ ۲۵ فی صدی

دیگر مطبوعات ـــــــ ۳۳ فی صدی

۱۔ قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کیجائیگی۔

۲۔ غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔

۳۔ پہلی فرمائش پچاس روپے، بعد وضع کمیشن سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔

۴۔ ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے ورنہ تعمیل نہیں ہوسکے گی

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۳۱۳ کراچی

اسلامی معاشرت

از پرویز

قیمت دو روپے

ہنسا چھالیا

دو ٹکڑے ـــــ صاف خشک ـــــ پرانے

(پیکٹوں میں خریدیئے)

تیار کردہ:۔ محمد اصغر محمد یونس چھالیا والے ـــــ جونا مارکیٹ ـــــ کراچی نمبر ۲

مودودی صاحب کی تقریر

(حکومت کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت)

۱۸ دسمبر بروز اتوار، سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے لاہور کے ایک جلسہ عام میں تقریر فرمائی۔ اس تقریر کو پہلے ہی سے جماعت اسلامی کے حلقوں میں خاص اہمیت دی جا رہی تھی۔ اور ان کے اخبارات میں اس کے اعلانات نمایاں حیثیت سے شائع ہو رہے تھے۔ چنانچہ ہمیں بھی اس تقریر کی رپورٹ کا انتظار تھا۔ تقریر کے بعد یہ رپورٹ مختلف اخبارات میں شائع ہوئی۔ لیکن ان رپورٹوں میں باہمی اختلاف کی وجہ سے ہم نے مناسب سمجھا کہ خود جماعت اسلامی کی "افیشل رپورٹ" کا انتظار کیا جائے چنانچہ یہ رپورٹ اب ۳۰ دسمبر کے اخبار "تسنیم" لاہور میں شائع ہوئی ہے۔ جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ تقریر کے عام انداز سے جو اثر پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب اپنے آپ کو صرف جماعت اسلامی ہی کا امیر نہیں سمجھتے بلکہ پورے پاکستان کا امرِ خیال فرماتے ہیں اور اس بلندی پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں سے باقی تمام لوگ نیچے بالشتیے نظر آتے ہیں۔ ان کی ساری تنقید اسی انداز آمریت کی تصویر ہے۔

موقعہ پرستی

(۲) انھوں نے سب سے پہلے روسی لیڈروں کے اس بیان پر تنقید کی ہے جو انھوں نے ہندوستان کے گزشتہ دورہ کے دوران میں کشمیر کے متعلق دیا تھا۔ اور اس کے بعد کابل پہونچ کر پاکستان کے خلاف افغانستان کی پیٹھ ٹھونکی تھی۔ لیکن دوسرے ہی سانس میں مودودی صاحب نے خود حکومت پاکستان پر بھی یہ گرفت کر دی کہ وہ امریکی بلاک میں کیوں شامل ہو گیا ہے۔ آپ نے غور کیا کہ ان دونوں تنقیدوں سے مقصود کیا ہے؟ مودودی صاحب کی پالیسی یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ رکھا جائے۔ اور اس قوت کے بل بوتے پر حکومت کی کرسیاں اپنے قبضہ میں لے لی جائیں۔ اس مقصد کے لئے وہ ہر گروہ کے سامنے ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے وہ خوش ہو جائیں۔ اور ہر غزل کے مقطع کا بند حکومت پر تنقید ہوتا ہے۔ اس وقت ملک میں دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جس کا خیال ہے کہ پاکستان کو روس کا ساتھ دینا چاہیئے اور دوسرا وہ جو سمجھتا ہے کہ پاکستان نے امریکی بلاک کا ساتھ دے کر بہتر راہ اختیار کی ہے۔ مودودی صاحب نے روس کے لیڈروں پر تنقید کر کے اس گروہ کو خوش کرنا چاہا جن کا رجحان امریکہ کی طرف ہے۔ اور حکومت پاکستان پر امریکی بلاک سے وابستگی پر تنقید کر کے اس طبقہ میں مقبولیت حاصل کرنی چاہی۔ جو امریکی بلاک کے خلاف ہے۔ اس کے لئے انھوں نے یہ دلیل دی کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان ان دونوں بلاکوں کے درمیان اپنی غیر جانبدارانہ پوزیشن کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ہندوستان امریکہ سے بھی امداد لے رہا ہے۔ اور پاکستان کے مقابلہ میں زیادہ امداد لے رہا ہے اور اُدھر روس سے بھی اس کے تعلقات قائم ہیں۔ اور سیاسی اور مادی نقطہ نظر سے جو فوائد بھی ان دونوں بلاکوں سے حاصل کئے جا سکتے تھے۔ ان سے ہندوستان پوری طرح فائدہ اٹھا رہا ہے۔"

مودودی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ پاکستان کو اصولی طور پر کس بلاک کا ساتھ دینا چاہیئے۔ کہا صرف یہ ہے کہ پاکستان کو بھی ہندوستان کی طرح دونوں بلاکوں سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرتے رہنا چاہیئے۔ یہ ہے ہمارے ان صالحین کی اصول پرستی کا عالم جو ہر سانس میں لوگوں سے پکتے پھرتے ہیں کہ موقعہ پرستی (OPPORTUNISM) بدترین جرم ہے۔ افراد اور اقوام کو اپنے فیصلے ہمیشہ کسی اصول کے ماتحت کرنے چاہئیں۔

پاکستان کو اس قسم کا مشورہ دیتے وقت مودودی صاحب اس بڑے فرق کو بھول گئے۔ جو ہندوستان اور پاکستان میں ہے۔ ہندوستان کی پوزیشن ایسی ہے کہ روس اور امریکہ دونوں اس کے تعاون کے محتاج ہیں۔ اس لئے وہ ان دونوں سے سودابازی کر سکتا ہے۔ لیکن پاکستان کی پوزیشن ایسی نہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود کسی بڑی طاقت کا تعاون حاصل کرے۔ جس سے اس کے استحکام پر زد نہ پڑے یہ ہے وہ ضرورت جس کے لئے پاکستان نے امریکی بلاک کے حلیف بننے کا فیصلہ کیا۔ اور اس اصول کے ماتحت فیصلہ کیا کہ روس کا حلیف بننے کی صورت میں اس کے دروازے کمیونزم کے سیلاب بلا کے لئے پورے طور پر کھل جاتے ہیں۔ جس کے سامنے نہ دین باقی رہتا ہے نہ دانش۔

کھلی ہوئی بغاوت

(۳) یہاں سے ایک ہی قدم آگے بڑھیئے تو یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ مودودی صاحب نے حکومت پاکستان سے جو کہا ہے کہ وہ امریکی بلاک میں کیوں شامل ہو گیا ہے۔ اور میں جن کیوں نہیں رہا تو اس لئے نہیں کہ وہ اس مسلک کو پاکستان کے لئے بہتر سمجھتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اس معاملہ میں حکومت کی جگہ خود لینا چاہتے ہیں۔ وہ فائدہ کیا ہے۔ اس کے لئے ان کی تقریر کا اگلا ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے کہتے ہیں:-

اس سلسلہ میں دوسری بات یہ ہے کہ خود اینگلو امریکی بلاک کو بھی سوچنا چاہیئے کہ اگر وہ صرف مسلمان حکمرانوں سے معاملہ کرنا چاہتا ہے اور اس کو مسلمان قوم کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کرنا ہے تو الگ بات ہے۔ لیکن اگر اس کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان ممالک کے عوام بھی اس کے ساتھ تعاون کریں تو اس معاملہ میں ہمیں وضاحت کے ساتھ یہ بتا دینا چاہیئے کہ مسلمان ملکوں کے ساتھ آپ کی جو پالیسی اب تک چلی آ رہی ہے۔ وہ ایسی ہرگز نہیں ہے کہ پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک کے عوام کا دلی تعاون آپ کو حاصل ہو سکے۔"

جو کچھ مودودی صاحب نے یہاں کہا ہے اسے وہ اس سے پہلے اپنی کراچی کی ایک تقریر میں بھی کہہ چکے ہیں۔ وہاں انھوں نے کہا تھا:-

اگر یہ بلاک فی الواقعہ یہ چاہتا ہے کہ کمیونزم کی روک تھام کے لئے اسے مسلم عوام کا دلی تعاون حاصل ہو۔ تو اسے اپنی بنیادی پالیسی میں بنیادی تغیر کرنا پڑے گا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ اسے مسلم ممالک کے حکمرانوں سے ساز باز کرنا ہے یا مسلم ممالک کے عوام کا تعاون حاصل کرنا ہے۔ یہ اس کے سوچنے کا کام ہے کہ اسے کون سی راہ اختیار کرنی چاہیئے اسے ان حکمرانوں کی ضرورت ہے جو عوام پر سطحی اثر بھی نہیں رکھتے۔ یا عوام کے تعاون کی ضرورت

بی پی
ڈبل روپی
جسم کو
توانائی
بخشتی ہے

ہے جو طاقت کا اصلی سرچشمہ ہوتے ہیں۔ پچھلی جنگ عظیم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حکومت خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، پوری طاقت نہیں لگا سکتی جب تک کہ ملک کے باشندے اس جنگ کو اپنی جنگ نہ سمجھیں بلکہ اگر معاملہ برعکس ہوتا ہے تو ملک کے باشندے جابر حکمرانوں کے چنگل سے نکلنے کے لئے اس موقعہ سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

تسنیم - ۱۶ر دسمبر ۱۹۵۵ء

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب اپنی ان تقریروں میں کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ امریکہ اور برطانیہ سے کہہ رہے ہیں۔

(۱) تم جو پاکستان کے حکمرانوں سے براہ راست "ساز باز" کرتے ہو تو سمجھیں اس میں سخت نقصان اور خطرہ ہے۔

(۲) یہاں کے عوام ان حکمرانوں کے ساتھ نہیں ہیں۔

(۳) کل کو اگر جنگ چھڑ گئی تو یہ عوام، حکومت کا ساتھ نہیں دیں گے۔ بلکہ ان کے چنگل سے نکلنے کے موقعہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔

(۴) اگر تمہیں فی الواقعہ روس کی روک تھام کرنی ہے تو پاکستان کے حکمرانوں کی جگہ یہاں کے عوام سے معاملہ کرو جو طاقت کا اصل سرچشمہ ہیں۔

(۵) اور یہ ظاہر ہے کہ عوام سے معاملہ ان کے نمائندوں کی وساطت ہی سے کیا جائے گا۔ اس لئے تم یہاں کی حکومت کو چھوڑ کر ہم سے بات چیت کرو۔

ہم حکومت پاکستان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ مملکت پاکستان کے کسی باشندے کا دوسری مملکتوں سے یہ کہنا کہ تم مملکت کی حکومت کے ساتھ معاملہ نہ کرو کیونکہ وہ نہ ملک کی نمائندہ ہے۔ اور نہ ہی اسے کوئی طاقت حاصل ہے۔ بلکہ معاملہ عوام کے نمائندوں سے کرو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو جنگ کی صورت میں عوام تمہارا تو ایک طرف خود اپنی حکومت کا بھی ساتھ چھوڑ دیں گے اگر حکومت وقت کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت، اور ملک میں متوازی حکومت کا قیام نہیں تو اور کیا ہے! ہم شروع سے کہتے ہیں کہ یہ شخص جو ابتدا ہی سے پاکستان کے خلاف تھا کل کو اگر خدانخواستہ پاکستان کی کسی ملک سے جنگ چھڑ گئی تو یہ ملک میں اس قسم کا انتشار پیدا کرے گا جس سے غنیم کی مدافعت ناممکن ہو جائے گی۔ لیکن ہماری کسی نے نہ سنی اب دیکھئے کہ دل میں چھپے ہوئے عزائم کس طرح سے ابل ابل کر باہر آ رہے ہیں۔ ہم اس وقت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ کہ اگر حکومت، پاکستان کا استحکام چاہتی ہے۔ تو وہ غور کرے کہ ملک کا یہ داخلی خطرہ کہاں تک آگے بڑھ رہا ہے۔

اخلاقی کمزوری

۴۔ اس کے بعد مودودی صاحب پاکستان کے داخلی مسائل کی طرف آتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ پہلے ایک تمہید بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے۔

اخلاقی کمزوری سارے ملک میں وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اور ہماری ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ یہی اخلاقی کمزوری ہے۔

اس کے بعد انہوں نے ملک کے ایک ایک شعبہ کو لیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس میں کس طرح اخلاقی کمزوری کی وبا پھیل گئی ہے۔ اس میں سب سے پہلے ملک کا صاحب اقتدار طبقہ آتا ہے۔ پھر مجلس دستور ساز کے اراکین، پھر اخبار نویس حکومت کے عمال، کارخانہ دار، زمیندار، نوجوان اور عوام الناس سب آ جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ملک کے عوام الناس تک بھی اس اخلاقی وبا کا شکار ہو چکے ہیں تو اسلامی جماعت کا یہ مطالبہ کہ ہمیں جمہوریت کے فیصلوں کے مطابق چلنا چاہیئے کس طرح جائز قرار پا سکتا ہے؟ کیا بدکردار جمہور کے فیصلے حق و صداقت کے مطابق ہو جائیں گے؟

مذہبی پیشوا

جہاں تک پیشواؤں کا تعلق ہے مودودی صاحب فرماتے ہیں:

ہمارے مذہبی پیشواؤں میں، الحمد للہ ایک قلیل تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو متشرع ہیں۔ اور دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ لیکن ان میں ایک کثیر تعداد مذہبی تاجروں کی ہے جو دوسرے لوگ تو فی سبیل الشیطان جہاد کرتے ہیں اور یہ حضرات فی سبیل اللہ فساد کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ وہ قلیل تعداد جو دین کی خدمت انجام دے رہی ہے وہ خود جماعت اسلامی ہے۔

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ جب تک اس عام اخلاقی تنزل کا کوئی علاج نہیں کر لیا جاتا۔ ہمارا مسئلہ اس وقت تک حل ہی نہیں ہو سکیگا۔ انہوں نے اس اخلاقی تنزل کا کوئی علاج تجویز ہی نہیں کیا۔ علاج کے لئے ان کے پاس اسلامی دستور کا صدری نسخہ ہے۔ لیکن اب وہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ رہے ہیں

حکومت ہمارے سپرد کردو

ان کا کہنا یہ ہے کہ صرف اسلامی دستور بنا دینے سے کام نہیں چلے گا۔ اس لئے کہ

آپ جیسا قانون بھی چاہیں بنا لیں۔ لیکن چونکہ اس کا نفاذ انہی لوگوں کو کرنا ہے (جو اخلاقی کمزوری میں ماخوذ ہیں) اس لئے وہ یقیناً فیل ہو جائے گا۔

یعنی اسلامی دستور بنایئے۔ اور پھر اس کا نفاذ ان صالحین کے ہاتھ میں دیجئے۔ تو اس صورت میں وہ دستور کامیاب ہو سکیگا۔ ورنہ وہ فیل ہو جائے گا۔ ہم اس حقیقت کو پہلے دن سے دہراتے چلے آ رہے ہیں کہ آپ جو جی میں آئے کیجئے

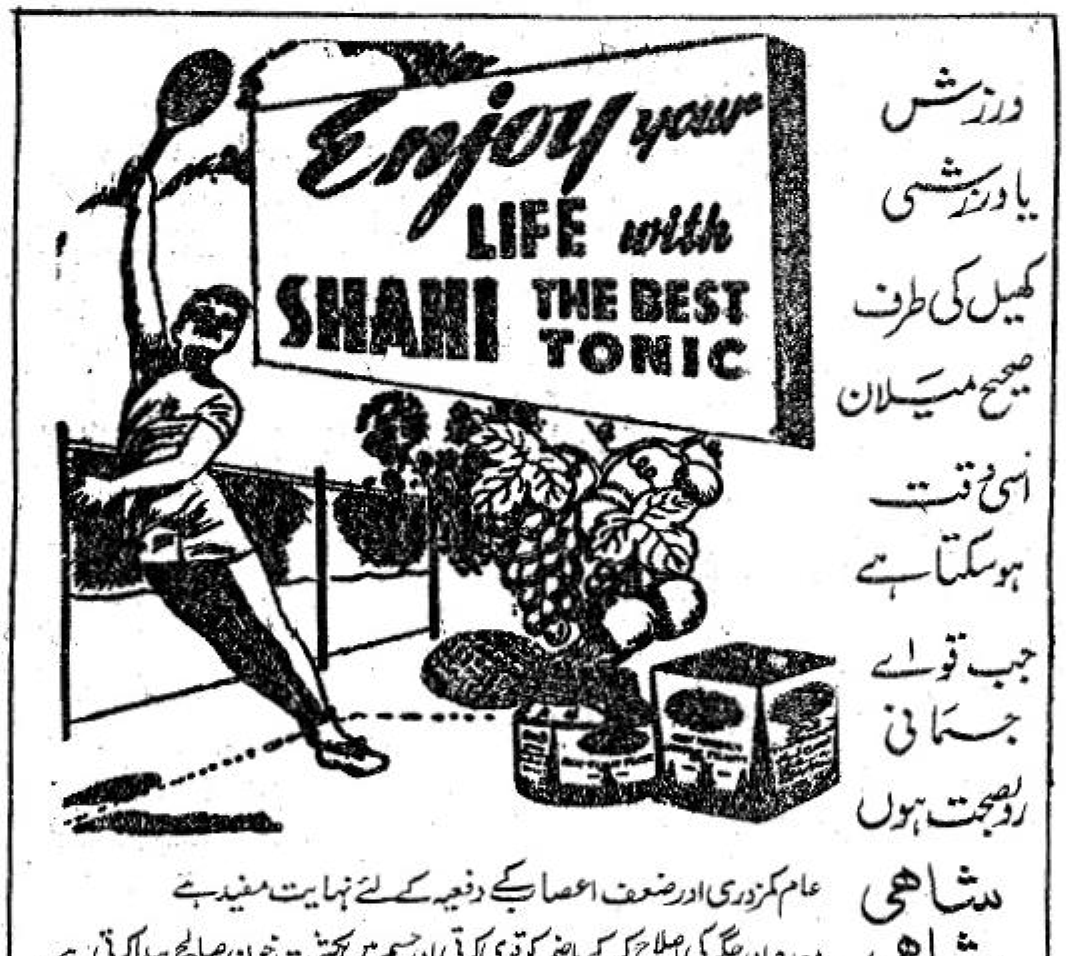

یہ حضرات اس وقت تک انتشار پیدا کرنے سے باز نہیں آئیں گے جب تک حکومت کی باگ ڈور خود ان کے ہاتھوں میں نہ دیدی جائے گی۔ اب تک ان کا مطالبہ اسلامی دستور کی تدوین کا تھا۔ اب اس کے بعد اس مطالبہ کا آغاز بھی کر دیا گیا ہے۔ کہ اس دستور کی تنفیذ بھی انہی کے ہاتھوں سے ہونی چاہیئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ "اقامت دین" کا مقصود ہی یہی ہے۔

تحریک پاکستان کی مخالفت؟

مودودی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران میں لوگوں کے سامنے ایک نصب العین تھا

> اور وہ یہ تھا کہ ہم اسلام کے مطابق زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہمیں الگ ایک خطہ زمین ملنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چھوٹی سی قلیت نے اس نصب العین کو دل سے قبول نہ کیا ہو۔ لیکن اس سے کچھ فرق واقع نہیں ہو سکتا۔ عام مسلمانوں کے سامنے یہی نصب العین تھا۔

سوال یہ ہے کہ جب عام مسلمانوں کے سامنے یہ نصب العین تھا کہ ہمیں ایک خطہ زمین ملنا چاہیئے۔ جس میں ہم اسلامی زندگی بسر کر سکیں تو پھر اسلامی جماعت تحریک پاکستان کی مخالفت کیوں کرتی تھی؟ ظاہر ہے کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ مسلمانوں کو ایک الگ خطہ زمین مل جائے۔ جس میں وہ اسلام کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

راز درون پردہ

(۲) اس وقت دستور پاکستان کی تدوین کے سلسلہ میں حکومت کی طرف سے جو کوششیں ہو رہی ہیں۔ اس ضمن میں مودودی صاحب نے فرمایا کہ

> سابق دستوریہ کی پیش کردہ دستوری دفعات میں سے اس دفعہ کو بھی خارج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ اس ملک میں کتاب و سنت کے خلاف قانون سازی نہیں کی جائیگی اور میری اطلاع کے مطابق اس حلف کو بھی تبدیل کئے جانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے جو سابقہ دستوریہ نے طے کر دیا تھا۔ ..... اور میری اطلاع یہ ہے کہ اس میں صدر ریاست کو وزیر اعظم مقرر کرنے اور صوبائی گورنروں کو چیف منسٹروں کے تقرر کا اختیار بھی دیا جا رہا ہے۔

دستور کے بارے میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے۔ حکومت نے اسے صیغۂ راز میں رکھا ہے۔ اور اس ضمن میں ان کی پارٹی میں جس قدر مذاکرات ہوتے ہیں۔ سب پس پردہ ہوتے ہیں سوال یہ ہے کہ مودودی صاحب کو جو اس قسم کی اطلاعات مل رہی ہیں۔ اگر حکومت کی طرف سے نہیں مل رہی ہیں تو ظاہر ہے کہ کسی ایسے شخص کی طرف سے مل رہی ہیں جو ان مذاکرات میں شریک ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مودودی صاحب کو علم ہے کہ یہ تمام امور راز میں رکھے جاتے ہیں تو وہ اس سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ جو شخص انہیں اس قسم کی اطلاعیں دے رہا ہے۔ وہ اس امانت میں خیانت کر رہا ہے جسے اس کی پارٹی نے اس کے سپرد کیا تھا کسی کے رازہائے درون پردہ کو اس طریق سے حاصل کرنا کیا قرار پاتا ہے؟ اگر چوری کا مال خریدنے والا چوری کے جرم میں برابر کا شریک قرار دیا جاتا ہے تو کسی کے راز کی خبروں کو اس طرح حاصل کرنے والا خائن کیوں نہیں؟

ہمیں خدشہ تھا کہ ہمارے محترم وزیر اعظم چودھری محمد علی صاحب کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے ملک کو تباہیوں کے جہنم میں دھکیل کر چھوڑیں گے۔ یہ خدشہ رفتہ رفتہ حقیقت بنتا نظر آ رہا ہے!

سویں ننانوے

اخراج ریاح، باسوری، تبخیر معدہ ، معدہ میں گیس پیدا ہونا کے مریض ہیں۔ پاخانہ صاف نہ ہونا۔ تمام جسم میں درد، سر میں چکر، بھوک غائب، ہاضمہ خراب۔ طبیعت میں بے چینی۔ سینے میں جلن خون میں کمی، نزلہ رہنا اس مرض کی عام شکایات ہیں۔ اس مرض کا حب باسوری اور جوہر ہضم (مکمل کورس) سے زیادہ زود اثر کوئی دوسرا علاج نہیں۔ یہ تمام شکایات کو دور کر کے تندرستی و توانائی بخشتا ہے۔ قیمت مکمل کورس تین روپے آٹھ آنے۔ طبی و علمی ماہنامہ دردمند کراچی۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ۔ بھیج کر خریدار بنئے۔

دردمند دواخانہ فریر روڈ۔ کراچی فون نمبر ۳۵۴۲۱

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست۔ ستمبر۔ نومبر۔ دسمبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزم ہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے۔ خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

★ طلوع اسلام بلند پایہ علمی پرچہ ہے

★ پاکستان کے ہر گوشے و ہر طبقے میں گہری دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے

★ پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جاتا ہے

★ اس میں شائع شدہ اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں

★ اس میں اشتہار دیکر اپنے کاروبار کو فروغ دیجئے

★ نرخنامہ اشتہارات ناظم ادارہ شعبہ اشتہارات سے حاصل کیجئے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس ۱۳۰۳ ۔ کراچی

طلوعِ اسلام کا مسلک

حق کی مخالفت کرنے والوں کے پاس، حق کی تردید اور اپنے باطل دعویٰ کی تائید کے لئے دلائل و براہین تو ہوتے نہیں۔ اس لئے وہ اس کے خلاف بہتان طرازی اور افترا پردازی سے کام لیتے ہیں۔ یہی ان کے پاس سب سے بڑا حربہ ہوتا ہے۔ یہی حربہ ہے جو طلوعِ اسلام کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ ان غلط فہمیوں کو رفع کرنے کے لئے جو ان مخالفین کی طرف سے پیدا کی جاتی ہیں، ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً طلوعِ اسلام کے مسلک کی وضاحت کر دی جائے۔ آج جبکہ ہفتہ وار طلوعِ اسلام کا یہ آخری پرچہ شائع ہو رہا ہے ہم اس مسلک کو ایک بار پھر دہراتے ہیں۔ حدیث و سنت کے بارے میں ہمارا مسلک یہ ہے کہ:۔

(۱) قرآن کریم خدا کی طرف سے تمام نوعِ انسانی کے لئے آخری اور مکمل ضابطۂ دین ہے۔ اس کی اتباع کے بغیر کامیابی اور سعادت کی راہیں کبھی نہیں کھل سکتیں۔

(۲) قرآن کریم چونکہ تمام نوعِ انسانی کے لئے اور ہر زمانے کے لئے ضابطۂ دین ہے اس لئے اس میں (بجز چند مستثنیات) دین کے صرف اصول دیئے گئے ہیں۔ اس سے منشائے خداوندی یہ ہے کہ یہ اصول تو ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔ لیکن ان کی حدود کے اندر رہتے ہوئے، جزئی قوانین مختلف زمانوں کی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ بدلتے جائیں گے۔ یہ جزئیات اسلامی نظام شورائیہ متعین کرے گا۔

(۳) سب سے پہلے اس قسم کا نظام، نبی اکرمؐ نے متعین فرمایا۔ اور قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے، جزئی قوانین قرآن کے حکم کے مطابق اپنی بصیرت اور صحابہؓ کے مشورے سے مرتب فرمائے۔

(۴) رسول اللہؐ کے بعد یہی سلسلہ خلفائے راشدین کے زمانے میں جاری رہا۔ اور انھوں نے جن جزئی قوانین کے متعلق دیکھا کہ ان میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں انھیں علیٰ حالہٖ رہنے دیا، جن میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ ان میں تبدیلی کرلی۔ اور جہاں کوئی نیا تقاضا سامنے آیا۔ اس کے لئے نیا قانون وضع فرما لیا۔

(۵) خلافت راشدہ کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب جو اسلامی نظام علیٰ منہاج نبوت قائم ہوگا۔ وہ وضع قوانین کے لئے رسول اللہؐ اور خلفائے راشدینؓ کا طریقہ اختیار کرے گا۔ یعنی وہ قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں اپنے زمانے کی ضرورتوں کا جائزہ لے گا۔ اگر پہلے سے مرتب شدہ قوانین ان ضرورتوں کو کماحقہٗ پورا کریں گے۔ تو وہ انھیں علیٰ حالہٖ رہنے دے گا اگر ان میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرے گا تو وہ تبدیلی کرے گا اور نئے تقاضوں کے لئے نئے قوانین مرتب کرے گا۔

(۶) جب تک یہ اسلامی نظام قائم نہ ہو، کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ امت جن جزئی قوانین پر کاربند ہے ان میں ردوبدل کر سکے ملت میں مزید انتشار اور تفرقہ انگیزی کا موجب بنے۔ (اس اصول کی روشنی میں ظاہر ہے کہ جو لوگ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ تین نمازیں پڑھو اور نو دن کے روزے رکھو وہ کذاب ہیں اور افترا پرداز)

(۷) رسول اللہؐ اور صحابہ کبارؓ کے عہد مبارک کا ریکارڈ ہماری کتب روایات (کتب سیر و تاریخ) میں منضبط ہے۔ ان میں کتب روایات (احادیث) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ لیکن ان احادیث کا کوئی مجموعہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرما کر اپنی امت کو دیا۔ اور نہ ہی صحابہ کبارؓ نے مرتب فرمایا۔ یہ مجموعے حضورؐ کی وفات کے سینکڑوں سال بعد، انفرادی کوششوں سے مرتب ہوئے۔ ان مجموعوں میں دو قسم کی احادیث ملتی ہیں، ایک وہ جن کی حیثیت قانونی ہے۔ دوسری وہ جن کا تعلق رسول اللہؐ کی سیرتِ طیبہ سے ہے۔ پہلی قسم کی روایات کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے۔ باقی رہیں دوسری قسم کی روایات، سو یہ حقیقت ہے کہ حضورؐ انسانی سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ لیکن بدقسمتی سے ان مجموعوں میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جو حضورؐ کی سیرت کو داغدار کر دیتی ہیں۔ اس قسم کی تمام روایات غلط ہیں۔ حضورؐ کی سیرت کے پرکھنے کا معیار خود قرآن ہے۔ جو روایات اس معیار پر صحیح اترتی ہیں، وہی حضورؐ کی سیرت کو صحیح شکل میں پیش کرتی ہیں۔ اس قسم کی روایات سے قرآن کے آئینے میں حضورؐ کی جو سیرت مرتب ہوگی۔ وہ ساری دنیا کے انسانوں کے لئے نمونہ (اسوۂ حسنہ) پیش کرے گی کہ ایک پاکباز اور بلند کردار انسان کی زندگی ایسی ہوتی ہے۔

یہ ہے اس باب میں طلوعِ اسلام کا مسلک۔ جو شخص اس کے خلاف کوئی بات طلوعِ اسلام کی طرف منسوب کرتا ہے، وہ جھوٹ بولتا اور بہتان تراشی کرتا ہے۔

ہماری گذارش یہ ہے کہ جسے طلوعِ اسلام کی مخالفت کرنی ہو وہ اس مسلک کو سامنے رکھ کر مخالفت کرے، اور جسے اس کا ساتھ دینا ہے۔ وہ بھی اس مسلک کو سمجھ کر اس کا ساتھ دے۔

والسلام علیٰ من تبع الھدیٰ

معراج انسانیت
از پرویز
سیرت صاحب قرآن علیہ التحیہ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش
صفحات تقریباً ۹۰۰ (قیمت بیس روپے)

قرآنک ریسرچ سنٹر

(مرکزِ تحقیقاتِ قرآنیہ)

اگر آپ کبھی بیمار ہو جائیں تو آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فلاں ڈاکٹر یا فلاں طبیب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ خود معلوم نہ ہو تو آپ کے دوست آپ کو بتا دیتے ہیں کہ آپ کو کہاں جانا چاہیئے۔

آپ کو کبھی قانونی مشورہ درکار ہو تو آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کو کس وکیل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

آپ کو مکان بنوانا ہو تو آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ کو کس آرکیٹکٹ یا انجینئر سے بہترین مشورہ مل سکے گا

آپ کو معلوم کرنا ہو کہ فلاں مسئلہ کے متعلق "شریعت" کا کیا حکم ہے تو آپ کو کئی مفتی مل جائیں گے۔ جو اس کے متعلق فتوے دے دیں گے۔

لیکن اگر آپ کو کبھی یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہو کہ فلاں معاملہ میں قرآن کریم کی تعلیم کیا ہے تو آپ کو کوئی گوشہ ایسا دکھائی نہیں دیگا جہاں سے آپکو یہ معلوم ہو سکے۔ آپ کہدیں گے کہ ملک میں ہزاروں علمائے کرام موجود ہیں جن کی طرف اس مقصد کے لئے رجوع کیا جا سکتا ہے لیکن دلوں کی تنقیص کے، یہ واقعہ ہے کہ آپکو ان کے ہاں سے خالص قرآن کی تعلیم نہیں مل سکیگی۔ وہ صرف یہ بتائینگے کہ اس باب میں فلاں مفسر نے یہ کہا ہے اور فلاں امام فقہ کا یہ قول ہے۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے خود قرآن کو اسی طریق سے پڑھا ہوتا ہے۔

اس سے پہلے کسی ایسے مرکز کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی جہاں سے ایک طالبِ حقیقت کو خالص قرآن کی تعلیم مل سکے لیکن اب جبکہ مسلمانوں میں قرآنی ذوق پیدا ہو رہا ہے ایسے مرکز کی ضرورت کا احساس بھی شدید ہو رہا ہے۔ قرآنک ریسرچ سنٹر (مرکزِ تحقیقاتِ قرآنیہ) اسی مقصد کیلئے قائم کیا گیا ہے۔ اسمیں ایک طرف تو قرآنی علوم کے متعلق تحقیق کا کام ہو گا۔ اور دوسری طرف متلاشیانِ حقیقت کو حتی الامکان بتایا جائیگا کہ ان کے زیرِ نظر معاملات و مسائل کے متعلق قرآن کی تعلیم کیا ہے۔ محترم پرویز صاحب نے اس ضمن میں خود حکومت سے بھی کہا تھا اور اسے اب دوبارہ دہرایا جاتا ہے کہ اگر انہیں بھی کسی معاملہ میں معلوم کرنا ہو کہ قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے تو اس مرکز کی طرف سے ان کے استفسارات کا جواب، بلا مزد و معاوضہ دیا جائے گا۔ اس باب میں نہ مرکز کو کسی کے عقائد سے کچھ تعلق ہو گا نہ مسلک سے نہ سیاسی رجحانات سے کوئی واسطہ ہو گا نہ کسی گروہ کے مفاد و مصالح سے وہ خالصۃً للہ بلا کسی رورعایت اور بلا خوف ملامت یہ بتائے گا کہ معاملہ زیرِ نظر میں قرآن کا ارشاد کیا ہے؟ ہر قسم کی فرقہ بندیوں سے بلند ہو کر خالص قرآن کا ارشاد!

جہاں تک قرآنی علوم کی تحقیقات کا تعلق ہے محترم پرویز صاحب کی تازہ ترین تالیف "انسان نے کیا سوچا؟" اور اسکی آئندہ جلد "خدا نے کیا کہا؟" اسی سلسلہ کی کڑی ہے نیز قرآنی لغت اور مفہوم القرآن (جسے عام طور پر قرآن کا ترجمہ سمجھا جاتا ہے اور جو درحقیقت ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم ہے) اسی سلسلہ سے متعلق ہیں۔ ان پر برسوں سے کام ہو رہا ہے اور بفضلہ تکمیل تک پہنچ رہا ہے۔

قرآنی تحقیق و تبلیغ کا یہ کام بقدر وسعت بڑھایا جائے گا۔ اور پیشِ نظر پروگرام کے مطابق اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کو بھی محیط ہو گا۔ وبیدہ التوفیق۔

سردست مرکز کا پتہ (جسے بغرض اختصار قرآنی مرکز کہنا چاہیئے) پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۷ ہی ہو گا۔ امید ہے کہ ہم ماہنامہ کی پہلی اشاعت میں اس کے اور (ادارہ طلوعِ اسلام کے) مستقل پتہ سے اطلاع دینے کے قابل ہو سکیں گے۔

اسلام کی سرگزشت

عربوں کی عقلیت جاہلیہ اور عقلیت اسلامیہ کے باہمی فرق کو واضح کرنے کے بعد دونوں عقلیتوں کے تزاحم و تصادم سے جو نتائج برآمد ہوئے ان کو بیان کیا جا رہا تھا اور بتایا گیا تھا کہ یہ سمجھنا قطعاً غلط ہے کہ اسلامی عقلیت نے جاہلی عقلیت کو بالکلیہ ختم کر دیا تھا اور اس کا کوئی اثر عربوں کی زندگی پر باقی نہیں رہا تھا۔ آج کی فرصت میں بھی یہی موضوع زیرِ بحث ہے۔

اس کے ساتھ ہی بہت سے لوگ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنہیں اسلام نے ایک بالکل ہی نئے رنگ میں رنگ دیا تھا حتیٰ کہ ان کی جاہلی زندگی اور اسلامی زندگی کے درمیان کا رشتہ ہی گم ہو گیا تھا۔ مثال کے طور پر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور بہت سے صحابہ کی سیرت کو دیکھ جاؤ — ان کی زندگیوں میں — ورع - زہد - تواضع - اوامر و نواہی کا شدید التزام ہی تمہیں نظر آئے گا، ان کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی تمہیں ایسا نظر نہیں آسکے گا جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ اس کا ماخذ اسلام کے بجائے جاہلیت تھا۔ ان کے خطبوں میں، ان کے خطوط میں، ان کی باتوں میں ہر جگہ اسلام کے اثرات بہت ہی نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ لوگ اسلام میں ازسرِ نو پیدا ہوئے تھے اور پچھلی زندگی سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی نفسیات و رجحانات اور جاہلی نفسیات و رجحانات کے درمیان بڑا ہی شدید نزاع برپا تھا جو طویل عرصہ تک قائم رہا۔ نیز اسلام نے تمام عربوں کو برابر سرا ایک ہی رنگ میں نہیں رنگ دیا تھا بلکہ جو لوگ اسلام سے زیادہ تر اور بہتر طور پر متاثر ہوئے وہ مہاجرین اور انصار کے "السابقون الاولون" تھے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ دین ان کے دلوں کی گہرائیوں تک اُتر چکا تھا۔ وہ خلوص کے ساتھ دین کے لیے کام کرتے اور اس کے اوامر کو نافذ کرتے تھے۔ لیکن جو لوگ فتح مکہ کے دن یا اس کے بعد مسلمان ہوئے اور اس سے پیشتر تک اپنے کفر و عناد پر برقرار رہے حتیٰ کہ انہوں نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ رسول اللہ صلعم اور آپ کے صحابہ فتحمند ہوتے جا رہے ہیں اور اب انہیں اسلام لانے کے سوا کوئی چارہ کار ہی باقی نہیں رہا تو ایسے لوگ اگرچہ مسلمان تو ہو گئے مگر ان میں سے زیادہ تر لوگوں کا اسلام محض سطحی تھا۔

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ
الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ
دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن
بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ
الْحُسْنَىٰ

تم میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اپنے مالوں کو کھلا رکھا اور جہاد کیا — ان لوگوں کا درجہ بہت بڑا ہے۔ وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے جنہوں نے اس کے بعد اپنے مالوں کو کھلا رکھا اور جنگ میں حصہ لیا۔ البتہ خدا کا وعدہ سب لوگوں سے اچھائی ہی کا ہے۔

مورخین کی وہ تقسیم کس قدر صحیح ہے جو انہوں نے صحابہ کے مراتب کے مطابق انہیں مختلف طبقات میں تقسیم کر دینے میں برتی ہے۔ چنانچہ بعض مورخین نے تو صحابہؓ کو بارہ طبقات پر تقسیم کیا ہے جن میں آخری طبقہ میں ان لوگوں کو رکھا ہے جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے[1] شہری اور دیہاتی باشندوں کا بھی یہی حال تھا۔ بلکہ دوسری قوموں میں سے جو لوگ بعد میں اسلام لائے تھے وہ اکثر بادیہ نشین عربوں سے زیادہ دین دار اور احکام اسلامی کو زیادہ جانتے تھے۔ زید بن صوحان کے پاس ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا۔ زید بن صوحان اپنے احباب کو حدیثیں سنا رہے تھے — زید کا ایک ہاتھ جنگ نہاوند میں کام آگیا تھا — وہ اعرابی کہنے لگا "بخدا تمہاری باتیں تو مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن تمہارا ہاتھ مجھے تنک و شبہ میں ڈال رہا ہے" (مطلب یہ تھا کہ کہیں تم نے چوری کی ہو اور اس کی سزا میں یہ ہاتھ نہ کاٹا گیا ہو) زید نے پوچھا کہ میرے ہاتھ کی وجہ سے تمہیں کیا شبہ ہو رہا ہے؟ یہ تو بایاں ہاتھ ہے" (یعنی چوری میں تو دایاں ہاتھ کاٹا جاتا ہے) اعرابی نے کہا۔ "بخدا یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ دایاں ہاتھ کاٹتے ہیں یا بایاں ہاتھ کاٹتے ہیں۔ میں تو اتنا ہی جانتا ہوں کہ چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے"۔ اس پر زید بن صوحان نے کہا کہ خدا نے سچ ہی فرمایا ہے

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا
وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا
اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

(بادیہ نشین لوگ کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہوتے ہیں اور زیادہ تر اس قابل ہوتے ہیں کہ ان احکام و اوامر کی حدود کو نہ جان سکیں جو خدا نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں۔)

چنانچہ طبری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اعرابی یعنی بادیہ نشین لوگ توحید الٰہی کے سختی سے منکر اور شہری لوگوں کے مقابلہ میں شدید تر منافق ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے ان کا یہ وصف اس لئے بیان کیا ہے کہ ان کے دل سخت ہوتے ہیں کیونکہ اہل خیر سے ان لوگوں کو بہت کم سابقہ پڑا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے دل میں سختی اور قساوت زیادہ ہوتی ہے اور حقوق الٰہیہ کا ان کو بہت کم پاس ہوتا ہے۔

ان میں سے زیادہ تر بادیہ نشینوں کی اسلام کے متعلق معلومات نہایت سطحی ہوتی تھیں۔ وہ شراب و کباب کے عادی ہوتے تھے اور اپنے قبائل کی جاہلی رسوم کی اتباع کرتے تھے۔ جھنڈے بناتے تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی ان قبائل سے برسرِ پیکار رہتے تھے جن سے وہ جاہلیت کے زمانہ سے جنگ کرتے آئے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلام اور عقلیت اسلامیہ زیادہ تر شہروں ہی میں نظر آتی تھی اور خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں میں جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ دین کے مخلص لوگ بھی ان شہروں ہی میں ملتے تھے۔ جنہیں مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔

بہرحال اسلام کے ابتدائی عصور میں جاہلی رجحانات اور اسلامی رجحانات پہلو بہ پہلو چل رہے تھے۔ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ جاہلی رجحانات کا اثر ادبِ اموی — خصوصاً اشعار پر زیادہ نمایاں تھا۔ جاہلی مضامین، جاہلی ہجو، جاہلی فخر، جاہلی حمیت، یہ ساری چیزیں اموی اشعار میں بہت نمایاں اور واضح ملتی ہیں۔ اسلامی رجحانات کا اثر علوم شرعیہ میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ مسلمان قرآن کے پڑھنے پڑھانے پر متوجہ ہوئے۔ احادیث کو جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان سے احکام کا استنباط کرنا شروع کر دیا۔ وعظ و نصیحت کی باتیں ان سے نکالنی شروع کر دیں۔ دراصل یہی پہلو اس وقت ہمارا موضوع ہے جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اور حرکتِ علمیہ پر کلام کرتے ہوئے ہم عنقریب بتائیں گے کہ علمی میدان میں اسلام نے کیا اثرات پیدا کئے۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ ابو الفدا ر صفحہ ۱۶۳ ج ۱ ابو الفدا نے اس پر ایک طبقہ کا اور اضافہ کر دیا ہے اور اس میں ان صحابہ کو شمار کیا ہے جو رسول اللہ صلعم کی زندگی میں بچے تھے۔

انسان نے کیا سوچا؟

از پرویز

قیمت دس روپے

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی ۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین ۔
قیمت چھ روپے ۔ علاوہ محصولڈاک ۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ہی سے ہاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک ۔

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ہے اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھولدی ہیں ۔ قیمت دو روپے۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے ۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے ۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں ۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے ۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۴۳۱۳ - کراچی - ۳

انسان نے کیا سوچا؟

یہ وہی عظیم کتاب ہے جس کا مفصل تعارف طلوع اسلام کی گزشتہ اشاعتوں میں کرایا جاتا رہا ہے۔ اب کتاب تیار ہے اور عنقریب اسکی روانگی شروع کردی جائیگی۔ کتاب ولایتی سفید کاغذ پر طبع ہوئی ہے۔ اس کا سائز وہی ہے جو "ابلیس و آدم" کا ہے یعنی ۲۲×۲۹/۸ اسکی جلد بھی خاص طور پر مضبوط بنوائی گئی ہے تاکہ قارئین کو شکایت نہ ہو۔ ڈسٹ کور نہایت دلکش اور خوشنما ہے جو ولایتی گلیزڈ آرٹ پیپر پر چھپا ہے۔

اگر آپ نے اب تک آرڈر نہیں دیا تو بہت جلد آرڈر دیدیجئے کیونکہ کتاب اسی ترتیب کے ساتھ روانہ ہوسکیگی جس ترتیب سے اس کے آرڈرز موصول ہونگے۔

ضخامت ۳۶۸ صفحات قیمت مجلد مع گرد پوش دس روپے علاوہ محصول ڈاک

پیشگی خریداران کو آرڈر دینے کی ضرورت نہیں۔ کتاب حسب ترتیب رفتہ رفتہ ان کی خدمت میں ازخود پہنچ جائیگی۔ البتہ جو حضرات کتاب نہ منگانا چاہیں وہ زیادہ سے زیادہ یکم جنوری تک ادارہ کو مطلع فرما دیں۔

* * * * *

تاریخ الامت

علامہ حافظ محمد اسلم جیراج پوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام اسے دوبارہ شائع کررہا ہے۔

اسکی دو جلدیں جلد اول و جلد دوم پہلے شائع ہوچکی ہیں اور بقیہ دو جلدیں (جلد سوم و جلد چہارم) بہت جلد پیش کی جارہی ہیں۔

جلد اول:- جو سیرت رسول اللہ صلعم پر مشتمل ہے۔ ضخامت ۲۴۰ صفحات سائز ۲۰×۳۰/۱۶ غیر مجلد دو روپے علاوہ محصول ڈاک

جلد دوم:- جو خلافت راشدہ پر مشتمل ہے۔ ضخامت ۲۷۲ صفحات قیمت غیر مجلد اڑھائی روپے علاوہ محصول ڈاک

جلد سوم:- جو خلافت خاندان بنوامیہ پر مشتمل ہے۔ ضخامت ۱۷۶ صفحات قیمت غیر مجلد دو روپے علاوہ محصول ڈاک

جلد چہارم:- جو خلافت عباسیہ کے نصف اول پر مشتمل ہے۔ اور جس میں متوکل باللہ تک آٹھ خلفاء کا تذکرہ آگیا ہے۔ ضخامت ۱۷۶ صفحات قیمت غیرمجلد دو روپے علاوہ محصول ڈاک

باقی چار جلدیں بھی یکے بعد دیگرے شائع ہوتی جائینگی۔

پیشگی خریداران کو جنہیں جلد اول اور جلد دوم بھیجی گئی تھی یہ اگلی دونوں جلدیں بھی از خود بھیجدی جائینگی۔ البتہ اگر ان میں سے کوئی صاحب یہ جلدیں نہ منگانا چاہیں تو وسط جنوری تک اطلاع دیدیں۔

دوسرے حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں اور اسکی صراحت کر دیں کہ انہیں چاروں جلدیں مطلوب ہیں یا صرف تیسری اور چوتھی جلد۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی - ۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Kh
from Tolu-e-Islam Office, 207/A, P. E. C. H. Society, Karachi. Editor: KHURS